احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جولائی 2023ء

عظمت وشانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی وفکری خصوصی خطاب

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
عظیم منتظم عظیم حکمران

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ
جامع الصفات شخصیت

محبت، رواداری اور فراخی
(تعلیمات صوفیاء کی روشنی میں)

پاکستانی معیشت کو درپیش مسائل

شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9ویں برسی

پاکستان، برطانیہ، یورپ، امریکہ، کینیڈا میں شہداء کیلئے خصوصی دعائیہ تقاریب کا انعقاد

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 625 سے زائد کتب دستیاب ہیں

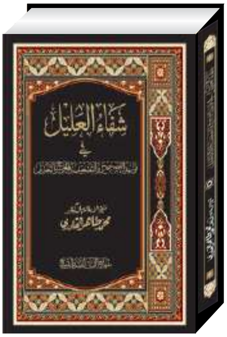

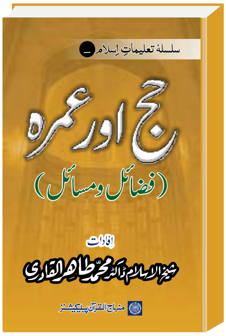

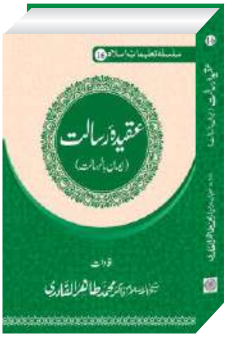

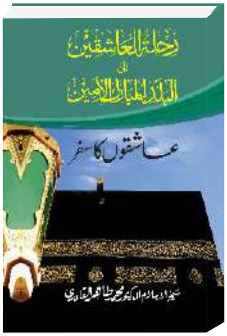

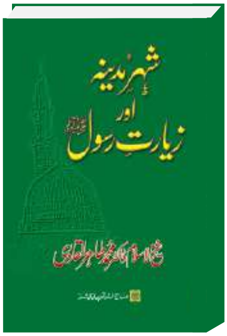

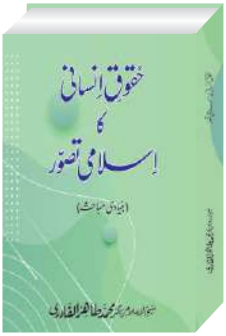

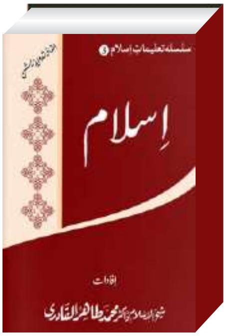

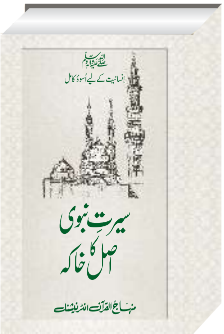

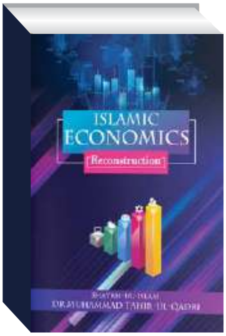

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 37 / ذوالحجہ ۱۴۴۴ھ / جولائی 2023ء
شمارہ: 7 / محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

بفیضان نظر
حضرت سیدنا قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی
محمد بلال اُپل، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: معاشی بحران کا حل سودی نظامِ معیشت سے نجات میں ہے	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: عظمت و شانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	12
فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ عظیم منتظم، عظیم حکمران	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	17
سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ: جامع الصفات شخصیت	محمد اقبال چشتی	23
محبت، رواداری اور فراخی	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	27
پاکستانی معیشت کو درپیش مسائل	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	32
بچوں کے اچھے اور بامعنی نام	احسان حسن ساحر	38
MQI کی سینٹرل ایگزیکٹو کونسل کا اجلاس	رپورٹ: حافظ غلام فرید	43
سانحہ ماڈل ٹاؤن کی 9ویں برسی: دعائیہ تقاریب	رپورٹ: رمیض حسین	45

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

رہتا بندوں سے ہے اپنے ہر جگہ مولا قریب
اس کی رحمت کا سروں پہ ان کے ہے سایہ قریب

چاہیے پیشِ نظر ہر دم صراطِ مستقیم
سارے رستوں میں ہے سیدھا اس کا ہی رستا قریب

طالبِ حق کے لئے ہے اس طرح دینِ مبیں
جیسے پیاسے سے ہو شیریں آب کا چشمہ قریب

فضل کی خیرات اس سے مانگئے ہر دم کہ ہے
رحمتِ باری کا ٹھاٹھیں مارتا دریا قریب

ذائقہ اک دن اجل کا ہم کو چکھنا ہے ضرور
آرہا ہے ہر بشر کی سمت یہ لمحہ قریب

جستجوئے منزلِ جاناں رہی ہے عمر بھر
شکرِ رب وہ جادۂ منزل نظر آیا قریب

مومنوں پر ہے برابر فضلِ مولا یہ کہ ہے
دُور ان سے ہاویہ اور جنت الماویٰ قریب

ہے ہمیں درکار نیّرؔ نصرتِ ربِ کریم
نصرتِ ربی جو لائے فتح کا مژدہ قریب

(ضیاء نیّرؔ)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

قبر میں لے کے جاؤں اگر مَیں اپنے ماتھے پہ خاکِ مدینہ
اس کا ہر ذرہ چمکے گا ایسے جیسے جنت کا کوئی نگینہ

عرض کردوں گا پھر قدسیوں کو مَیں نے دینی ہے ان کو سلامی
راہ میں اپنی پلکیں بچھا کر کھول دوں گا مَیں عاشق کا سینہ

قبر میں سیج پھولوں کی ہوگی آپ ﷺ تشریف لائیں گے جس دم
کِھل اٹھیں گے درودوں کے گجرے جیسے پھولوں کا کوئی مہینہ

نعت پڑھتے ہوئے سر جھکا کر اپنی بخشش کی عرضی پڑھوں گا
خون کے اشک پونچھوں گا اپنے جب ندامت بنے گی پسینہ

اُن ﷺ سے یہ التجا بھی کروں گا حشر میں اپنے قدموں میں رکھ لیں
ساتھ اپنے بٹھا کر بتائیں مجھ کو دیدارِ حق کا قرینہ

میری باتوں کو سن کر ملائک مجھ پہ کھولیں گے جنت کی کھڑکی
مَیں سناؤں گا پھر نعت اپنی اذن دیں گے جو شاہِ مدینہ

آپ ﷺ تشریف فرما رہیں گے سیج پھولوں کی تازہ رہے گی
اپنی آنکھیں وہیں موندلوں گا دل میں جلوؤں کا لے کر خزینہ

کاش اُس زندگی کے لیے مَیں غرقِ عشقِ نبی ﷺ ہو کے جی لوں
کاش جا کر وہاں مَیں لگا لوں اپنے ماتھے پہ خاکِ مدینہ

اے مدینے کو جاتی ہواؤ ساتھ مجھ کو بھی لے لو خدارا
مَیں بھی قدمین میں جاکے بیٹھوں، پار لگ جائے میرا سفینہ

{شیخ عبدالعزیز دباغ}

اداریہ

معاشی بحران کا حل سودی نظامِ معیشت سے نجات میں ہے

پاکستان کے عوام گزشتہ ایک سال سے مالی بحران کا شکار ہیں۔ اقتصادی بحران کی وجہ سے ریاست اور عام شہری دونوں دباؤ میں ہیں۔ اقتصادی بحران کا آغاز کووڈ 19 کی وبا سے ہوا۔ دنیا بھر کے ممالک اور عوام اس وبا سے جانی و مالی اعتبار سے بری طرح متاثر ہوئے۔ لاکھوں لوگ جاں بحق ہوئے اور ٹریلین ڈالرز کی تجارت کو نقصان پہنچا۔ پاکستان بھی اس وبا کی زد میں رہا، لاک ڈاؤن کی وجہ سے کاروباری سرگرمیاں بری طرح متاثر ہوئیں جس سے عام آدمی اور قومی معیشت کو نقصان پہنچا۔ کورونا وائرس کی وبا کے بعد پاکستان کو سیاسی عدم استحکام نے گھیر لیا۔ کم و بیش ایک سال سے پاکستان عدم استحکام کی لپیٹ میں ہے اور اس دوران ملکی معیشت پر مزید دباؤ آیا۔ سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر بہت زیادہ گر چکی ہے چونکہ پاکستان کی معیشت کا انحصار زیادہ تر امپورٹ پر ہے، اس لئے ڈالر کی کمی نے اقتصادی بحران کو ہر گزرتے دن کے ساتھ گہرے سے گہرا کیا اور عام آدمی کی قوتِ خرید اور آمدن میں ایک خلیج حائل ہو چکی ہے جس کی وجہ سے غربت اور بیروزگاری میں اضافہ ہوا۔

معیشت کا اتار چڑھاؤ ایک ایسا مضمون ہے جس کی تباہی کو کسی ایک شخصیت، فیصلے یا عرصۂ حکومت کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ اگرچہ غلط پالیسیوں کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تاہم معیشت ایک مسلسل عمل ہے جس کا تعلق پالیسیوں کے تسلسل کے ساتھ ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان معاشی پالیسیوں کے تسلسل سے محروم رہا ہے۔ ہم بطورِ قوم ایک فعال اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ زرعی پالیسی نہیں بنا سکے، آبی ذخائر تعمیر نہیں کر سکے، دستیاب پانی کے حوالے سے واٹر مینجمنٹ نہیں کر سکے، آئی ٹی سیکٹر کے اندر ہونے والی جدید تحقیقات کے ساتھ نہیں چلے، اپنی 60 فیصد سے زائد یوتھ کو عصری تعلیمی، تحقیقی اور تکنیکی عالمی رجحانات سے ہم آہنگ نہیں کر سکے، انرجی کے متبادل سستے ذرائع پر تسلسل کے ساتھ کام نہیں کر سکے، سمال انڈسٹری کے فروغ کے ضمن میں کوئی جامع پالیسی نہیں بنا اور چلا سکے، خسارے میں چلنے والے گورنمنٹ کے اداروں کا خسارہ کم کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات نہیں اٹھا سکے، اس کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات میں شفافیت کا کلچر پروان نہیں چڑھا سکے اور سودی نظامِ معیشت سے نجات کے لئے بھی کوئی لائحہ عمل اور فکر اختیار نہیں کر سکے اور پھر سیاسی عدمِ استحکام نے ان سارے عوامل پر جلتی پر تیل گرانے کا کام کیا ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سودی نظامِ معیشت دنیا بھر میں ایک ناکام معاشی نظام کے طور پر سامنے آیا ہے۔ سودی نظامِ معیشت نے جماعت کے بجائے افراد کی دولت میں اضافہ کیا اور افراد کی دولت اب اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ جماعت یعنی عوام کی اکثریت غربت اور فاقوں کی دہلیز پر آگئی ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں افراد روزانہ بھوکے سوتے ہیں، کروڑوں افراد کے پاس چھت نہیں ہے۔ پاکستان جیسے غریب اور پسماندہ ممالک کی صورت حال کہیں زیادہ تشویشناک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر ذمہ داران چاہتے ہیں کہ وہ معاشی بحران سے باہر نکل سکیں اور معیشت کو بہتر کر سکیں اور عام آدمی کی حالت زار میں تبدیلی لا سکیں تو پھر انہیں سب سے پہلے سودی نظامِ معیشت سے نجات حاصل کرنا ہو گی۔ سورہ البقرہ میں اللہ رب العزت نے واضح طور پر فرمایا ہے: ''اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کر دیتا) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے) اور اللہ کسی بھی ناسپاس، نافرمان کو پسند نہیں کرتا''۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے

سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ“ سورہ البقرہ میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود سے باقی رہ گیا ہے، چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے اصل مال (جائز) ہے، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث رسول ﷺ میں بھی سود کی حرمت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا گناہ میں یہ سب برابر ہیں“۔ اسی طرح ایک جگہ پر ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”سود کے ستر (۷۰) جز ہیں، سب سے کم درجہ کے جز کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے“۔ قرآن مجید کے احکامات اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین کے مطابق سودی نظامِ معیشت اللہ کے ساتھ کھلی جنگ کرنے کا نظام ہے، سود میں بربادی ہے، بے برکتی ہے، تباہی ہے، بدامنی ہے، استحصال ہے، ظلم و جور ہے اور سودی نظامِ معیشت کے ساتھ چلنے والے اللہ کے رحم اور اس کی برکات سے مطلقاً صرف محروم رہتے ہیں بلکہ اللہ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتے ہیں۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو یہ راستہ دکھایا ہے کہ سچے دل سے تائب ہو جائیں، جس دن اخلاص کے ساتھ توبہ ہو جائے گی تو خیر و برکت اور کشادگی کے دروازے کھلنا شروع ہو جائیں گے۔

”اقتصادیات اسلام (تشکیلِ جدید)“ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی ایک انتہائی فکر انگیز اور معاشی بحالی کے پیمانوں پر مشتمل قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔ یہ کتاب معاشی ماہرین اور پالیسی ساز اداروں اور شخصیات کو ضرور پڑھنی چاہیے تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ ایک مسلمان ملک کے اندر کس قسم کی اقتصادی اور معاشی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی ضرورت ہے۔ اسلامی نظام معیشت محض عقیدے یا ثواب دارین کا عمل نہیں ہے بلکہ اس کے اندر انسانیت کی فلاح و بہبود اور بقا چھپی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں انسانی فلاح و بہبود اور بقا کے جتنے امور اور تعلیمات زیر بحث آئی ہیں، ان کا تعلق انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود سے ہے۔ شیخ الاسلام ”اقتصادیات اسلام (تشکیلِ جدید)“ میں لکھتے ہیں کہ جب معیشت بگڑتی ہے تو صرف غربت ہی نہیں بڑھتی بلکہ سوسائٹی کا پورا تانا بانا حل کر رہ جاتا ہے۔ تباہ حال معیشت والے ممالک میں معاشرتی برائیاں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ ایسے ملکوں کو جوا، شراب، منشیات، اخلاق سوز رقص، گانے، مخرب الاخلاق فلموں جیسی برائیاں گھیر لیتی ہیں۔ ایسے تباہ حال معاشروں میں قحبہ گری و عصمت فروشی، چوری، راہزنی، لوٹ مار، کرپشن، دھوکہ دہی، ارتکاز دولت، گداگری جیسی برائیاں عام ہو جاتی ہیں اور سوسائٹی کا اجتماعی اخلاقی نظم تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے معیشت کی سمت کو درست رکھنے کے لئے راہنما اصول دیئے ہیں، جن میں سب سے بڑا اصول سودی نظامِ معیشت سے بچنا ہے۔

اسلام نے جہاں معیشت کی بہتری اور استحکام کے لئے اصول وضع کئے ہیں، وہاں افراد اور اقوام کے لئے بھی کچھ اقتصادی اخلاقی اصول متعین کئے ہیں۔ اسلام نے یہ باور کروایا ہے کہ دولت کا قانونی حصول جہاں ضروری ہے وہاں دولت کا ناجائز استعمال بھی گناہ ہے۔ اسلام نے سادہ طرزِ زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، سادہ خوراک کھانے، اسراف سے بچنے، نمود نمائش سے بچنے، پر تعیش لائف سٹائل سے بچنے کا حکم دیا ہے اور ہر معاملے میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم دولت کمانے اور دولت خرچ کرنے کے معاملے میں الوہی قوانین کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اللہ رب العزت نے بارشوں کو حصولِ رزق کا ذریعہ قرار دیا، بارشیں ہو رہی ہیں، اللہ رب العزت نے پہاڑوں، جنگلات، باغات کو خوشحالی کا ذریعہ قرار دیا، یہ سب موجود ہے مگر خوشحالی موجود نہیں ہے جس کی سب سے بڑی وجہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات اور تعلیمات کے برعکس زندگی گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ بالخصوص پاکستان کے عوام کو معاشی بحران سے نجات دے اور ہمیں اقتصادی اور تجارتی معاملات میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے (چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

القرآن

عظمت و شانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام

اہلِ بیت علیہم السلام کے لئے طاہر و مطہر کی اصطلاح قرآنِ مجید نے دی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب ☆

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ...... معاون: محمد ظفیر ہاشمی

حصہ اول

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

”بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔“ (الاحزاب، ۳۳: ۳۳)

مودّت و محبتِ اہلِ بیت، دفاعِ عظمتِ اہلِ بیت، امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے رتبہ و منصب، عظمت و رفعت اور سیدہ کائنات سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی محبت اور اُن کی بارگاہ میں عقیدت کے اظہار کا بیان دراصل آقا علیہ السلام کی تکریم، تعظیم، محبت اور وفاداری کا اظہار ہے۔

اہلِ بیت کو ہم جب اہلِ بیتِ اطہار کہتے ہیں، طاہر اور مطہر کہتے ہیں تو یہ لفظ ہمارا وضع کردہ نہیں بلکہ یہ اصطلاح قرآن مجید نے مذکورہ آیتِ کریمہ میں وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کے الفاظ کی صورت میں دی ہے۔ قرآن مجید میں اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی شان کے اظہار کا ایک اور مقام آیت مباہلہ ہے۔ جب نصاریٰ کا وفد مدینہ منورہ آیا تو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے آپ ﷺ کو انھیں مباہلہ کا چیلنج دینے کا حکم صادر ہوا کہ اِنہیں مباہلہ کی دعوت دیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ﴾ (آل عمران، ۳: ۶۱)، دَعَا رَسُولُ اللهِ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ، هٰؤُلَاءِ أَهْلِي

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، ۴: ۱۸۷۱، الرقم: ۲۴۰۴)

جب یہ آیت کریمہ (آپ فرما دیں کہ آجاؤ ہم (مل کر) اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو بھی اور تمہیں بھی (ایک جگہ پر) بلا لیتے ہیں، پھر ہم مباہلہ (یعنی گڑ گڑا کر دعا) کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں) نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی شیرِ خدا، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السلام کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میری اہل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں نَدْعُ أَبْنَاءَنَا کے تحت آقا علیہ السلام نے امام حسن و حسین علیہما السلام کو بلایا۔ قرآن مجید کی نص نے سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین علیہما السلام کو ابنائے مصطفی ﷺ قرار دیا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بیٹے اور شہزادے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ کے تحت حضور نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو بلایا اور پھر وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ کے تحت جب اپنی جان کو میدان میں لانے کا ذکر آیا تو اپنے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لے لیا۔ پھر اس موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے کثرت میں وحدت کا تصور دیا کہ ان تمام نفوس کے جسم جدا جدا ہیں، مگر اُن کے اندر رتبی قربت موجود ہے۔ اس کے سبب حضور نبی

☆ خطاب نمبر: Gc-81، تاریخ: 26 نومبر 2022، مقام: کراچی

اکرم ﷺ نے اَللّٰھُمَّ، هٰٓؤُلَآءِ أَهْلِي (یہ میری اہل ہے) کے الفاظ کے ذریعے کثرت میں وحدت پیدا فرمادی۔

قرآن مجید میں مذکورہ دو مقامات ایسے خاص ہیں کہ جہاں بالتعیین اہل بیت اطہار کی عظمت اور مرتبت کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں اللہ رب العزت نے انھیں اپنے دامن میں محفوظ کرکے وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کے الفاظ کے ذریعے انھیں محفوظ کردیا اور طہارت عطا کردی ہے۔ جبکہ دوسری آیت کریمہ (آیتِ مباہلہ) میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ان نفوس کو اپنی جانیں قرار دے کر انھیں اپنے دامن میں لے لیا ہے۔ یعنی اُن پر دامن اُلوہیت بھی سایہ فگن ہے اور دامنِ مصطفویت بھی سایہ فگن ہے۔

☆ اس موضوع پر میری تصنیف "قرابۃ النبی ﷺ" کا مطالعہ کریں جس میں قرآن مجید کی وہ جملہ آیات کریمہ جو اہل بیت اطہار کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی تفسیر اَحادیث نبوی، آثار صحابہ اور تابعین کی روشنی میں کی گئی ہے۔

مدارِ ایمان اور مدارِ کفر کیا ہے؟

اہل بیتِ اطہار کے باب میں مدارِ ایمان کیا ہے؟ اور مدارِ کفر کیا ہے؟ اس امر کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ کئی لوگ یزید اور دشمنانِ اہل بیت کے دفاع میں طرح طرح کی موشگافیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ اس امر کو واضح کرنے کے لیے اہل بیت اطہار، سیدہ فاطمۃ الزہراء، حضرت علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین علیہم السلام کے حوالے سے چند احادیث اور ان کی تشریح ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(۱) سیدہ کائنات علیہا السلام کی محبت اور مدارِ ایمان

سیدہ کائنات سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی محبت اور انھیں ایذاء دینے کا انجام اور وعید کے حوالے سے کثیر احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔ ان سے اہل بیتِ اطہار کے باب میں مدارِ ایمان کیا ہے؟ اس امر کی وضاحت ہوجائے گی:

۱۔ حضرت مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فاطمة بضعة منى فمن أغضبها أغضبنى.

(بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۱، الرقم: ۳۵۱۰)

"فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔ جس نے اُسے ناراض و خفا کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔"

اس حدیث مبارک میں ایک بات آقا ﷺ نے صریحاً فرمادی کہ اگر کسی نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو ناراض کیا تو وہ یہ جان لے کہ اُس نے فاطمہ کو نہیں بلکہ اُس نے مجھے ناراض کیا۔ سیدہ کائنات علیہا السلام کی ناراضگی تاجدار کائنات ﷺ کی ناراضگی ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فإنما ابنتى بضعة منى، يريبنى ما رابها ويؤذينى ما آذاها. (صحیح مسلم، ۴: ۱۹۰۲، الرقم: ۲۴۴۹)

"میری بیٹی فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔ جو چیز اُس کو پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو بات میری فاطمہ کو اذیت و تکلیف دے، وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔"

پہلی حدیث میں تھا کہ جو فاطمہ کو غضبناک کرے وہ مجھے غضبناک کرتا ہے، دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو چیز میری فاطمہ کو پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے۔ یعنی جو امر یا واقعہ میری شہزادی فاطمہ علیہا السلام کو تکلیف و اذیت دے دراصل وہ مجھے اذیت و تکلیف دیتا ہے۔

اس موضوع کے ضمن میں عقیدہ کا ایک اہم مسئلہ واضح کرتا چلوں کہ ہمیں یہ تصور واضح ہونا چاہیے کہ جب ایسے کلمات حضور علیہ السلام کسی کے بارے میں ارشاد فرمائیں خواہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوں یا وہ سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضیٰ، صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی شان میں ہوں یا کسی بھی شخص یا طبقہ یا گھر والوں کے حق میں ہوں تو اس کلام کی معنویت ہوتی ہے۔ وہ کلمات محض بشری جذبات کا ایک اظہار نہیں ہیں۔ یہ ایسا نہیں کہ جیسے ہم لوگ محبت میں اپنی اولاد کے لیے کہتے ہیں، دادا اپنے پوتے پوتیوں کے لیے کہتا ہے اور نانا اپنے نواسے اور نواسیوں کے لیے کہتا ہے کہ یہ میری جان ہیں، اِن کو تکلیف نہ دو، جو انہیں تکلیف دے گا، مجھے دکھ ہوگا۔ جس طرح کا کلام ہم اپنی اولاد، بیٹے، بیٹیوں اور پوتے پوتیوں کے لیے کرتے ہیں، اس کلام کا ازروئے شرع کوئی معنیٰ نہیں ہوتا کہ اُس کا

کوئی شرعی اطلاق ہو، یا اُس سے کوئی حکم اخذ کیا جائے، یا اُس کی خلاف ورزی کرنے سے از روئے شرع کوئی حکم صادر ہو جائے۔ ہمارے کلام میں یہ چیز نہیں ہوتی بلکہ یہ محض ایک فطری، بشری، انسانی، قلبی جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور اولاد کا دل خوش کرنا اور اپنی محبت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

لیکن جب آپ ﷺ اس طرح کا کلام کسی کے بارے میں فرماتے ہیں تو آپ ﷺ کا کلام کوئی جذباتی کلام نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے ادا ہونے والے ایسے کلمات کے بارے میں ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ یہ محض ایک انسان اور بشر کے طور پر جذباتِ محبت کا اظہار ہیں، ان کا کوئی شرعی معنٰی نہیں ہے، اِس کی خلاف ورزی پر کوئی شرعی حکم لاگو نہیں ہوگا، یہ اُمت پر واجب نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اگر ہم یہ سمجھیں اور معاذ اللہ، استغفر اللہ، اللہ کے نبی کے کلام کو جذباتی کلام کہہ دیا تو ہم ایمان سے خارج ہو گئے اور آپ ﷺ سے امتی ہونے کا ہمارا رشتہ و تعلق قطع ہو گیا۔

پس جب حضور ﷺ ایسا کلمہ ارشاد فرماتے ہیں تو اُس کی تابعداری اور خلاف ورزی دونوں کا ایک شرعی معنٰی، شرعی حکم، شرعی وجوب اور شرعی اثر ہوتا ہے۔ جب یہ نکتہ ذہن میں رہے گا، تو ایک طرف اہلِ بیتِ اطہار کی عظمت و شان اور ان کے مقام و مرتبہ کا حقیقی فہم نصیب ہوگا تو دوسری طرف یزید اور دشمنانِ اہلِ بیتِ اطہار کے حوالے سے کفر و لعن کے تعین کے بارے میں بھی کوئی التباس و شائبہ باقی نہ رہے گا۔

۳۔ سیدہ کائنات علیہا السلام کے حوالے سے ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے فرمایا:

فاطمة بضعة منی یقبضنی ما یقبضها ویبسطنی ما یبسطها. (حاکم، المستدرک، ۳: ۷۲، ۴۷۴۷)

”فاطمہ میری جان کا حصہ ہے، جو شے اُس کو پریشان کر دے، وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو چیز اُسے خوش کرے، وہ مجھے خوشی مہیا کرتی ہے۔“

۴۔ ایک اور مقام پر آقا ﷺ نے فرمایا:

فاطمة بضعة منی یغیظنی ما یغیظها وینشطنی ما ینشطها. (تفسیر ابن کثیر، ۳: ۲۵۷)

فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔ جو چیز اُسے غصہ دلا دے، وہ مجھے غصہ دلاتی ہے اور جو کام اُسے خوش کر دے، وہ کام مجھے خوش کر دیتا ہے۔

مذکورہ احادیث پر ائمہ حدیث کی تصریحات

امام نوویؒ نے شرح مسلم، علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے شروحات میں یہ امر واضح کیا ہے کہ ان احادیث میں مذکور ایذاء سے کیا مراد ہے؟ ذیل میں اس باب میں چند ائمہ کی تصریحات درج کی جاتی ہیں:

(۱) امام نوویؒ

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

بکل حال وعلی کل وجه وإن تولد ذلك الإیذاء مما کان أصله مباحا (شرح نووی، صحیح مسلم، ۱۶: ۳، الرقم: ۲۴۴۹)

یہ ایذاء جس کی طرف آقا ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے ہر حال میں اور ہر وجہ اور ہر سبب سے ہے۔ خواہ وہ ایذاء کسی ایسے فعل سے ہی پیدا کیوں نہ ہوئی ہو جو فعل اصل میں جائز اور مباح تھا اور شرعاً گناہ کا کام نہیں تھا۔ مگر کسی وجہ سے اُس فعل نے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو تکلیف دے دی، پریشان کر دیا یا ناراض کر دیا اور انھیں دکھ دے دیا۔ سو اُس کام سے بھی حضور ﷺ کو اذیت ہوگی۔

گویا اس تفریق کے بغیر کہ وہ تمام اُمور جو اصلاً ناجائز ہیں یا اصلاً جائز ہیں، ہر وہ فعل جس سے سیدہ کائنات علیہا السلام کو تکلیف پہنچے تو اُس سے مصطفی ﷺ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

(۲) ابن حجر عسقلانیؒ

حافظ ابن حجر عسقلانی اُسی حدیث کے تحت فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

وقد جزم بأنه یؤذیه ما یؤذی فاطمة. فکل من وقع منه فی حق فاطمة شیء فتأذت به فهو یؤذی النبی بشهادة هذا الخبر الصحیح۔ (عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۳۲۹، الرقم: ۴۹۳۲)

یہ چیز قطعی طور پر آقا ﷺ نے فرما دی یعنی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہر وہ شے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت اور تکلیف دیتی ہے، وہ حضور ﷺ کو اذیت پہنچاتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص

جس نے کوئی ایسا کام کیا یا ایسا کلمہ کہا کہ اُس سے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اذیت پہنچی، یا حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شان میں بے توقیری ہوئی تو اُس شخص کے اس فعل سے براہ راست رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچی یعنی اُس نے حضور ﷺ کو اذیت پہنچائی۔ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ اِس قاعدہ اور کلیہ پر گواہ ہے۔

امام عسقلانی مزید فرماتے ہیں کہ:

ولا شيء أعظم في إدخال الأذى عليها من قتل ولدها ولهذا عرف بالاستقراء معاجلة من تعاطى ذلك بالعقوبة في الدنيا ولعذاب الآخرة أشد.

(عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۳۲۹، الرقم: ۴۹۳۲)

یعنی یہ تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بات تھی، حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اذیت دینے کا اِس سے بڑا اور کون سا عمل ہے کہ اُن کے لخت جگر امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا اور شہادت امام حسین علیہ السلام سے جو اذیت حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو پہنچی، اِتنی بڑی اذیت حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اور حضور ﷺ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اِس حقیقت کو جان لیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اِس کا مرتکب ہوا۔ (اور امام حسین اور اُن کے ساتھیوں کو شہید کیا) اُس نے حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو اذیت دی، اُس نے جانِ مصطفی ﷺ کو اذیت دی۔ اُسے جلد اِس دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت کا عذاب یقیناً اُس کے لیے شدید تر ہے۔

(۳) علامہ مناویؒ

فیض القدیر از علامہ مناوی میں ہے کہ:

استدل به السهيلي على أن من سبها كفر.

(مناوی، فیض القدیر، ۴: ۴۲۱)

جس نے اُن کو اذیت دی، اُن کی بے توقیری، بے حرمتی اور گستاخی کی، اُن کو سب و شتم کیا، وہ کافر ہے۔ اِس پر علامہ مناوی، امام السہیلی کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ:

ومعلوم أن أولادها بضعة منها. فيكونون بواسطتها بضعة منه

اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی اولاد ان کی جان کا حصہ ہے۔ پس یہ اولاد (حسنین کریمین علیہما السلام) بھی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے واسطہ سے بضعۃ رسول ﷺ ہوگئے۔ اب وہ ساری اَحادیث جو آقا علیہ السلام نے بیان فرمائیں، ان کا اطلاق براہ راست حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے واسطے سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو اذیت دینے والوں پر بھی ہوگیا۔

وہ اپنے اِس کلیہ کو ثابت کرنے کے لیے یہاں حضور علیہ السلام کی حدیث بیان کرتے ہیں، یعنی حدیث کی شرح کو حدیث رسول سے ثابت کرتے ہیں:

رأت أم الفضل في النوم أن بضعة منه وضعت في حجرها أولها فقال رسول الله بأن تلد فاطمة غلاما فيوضع في حجرها (مناوی، فیض القدیر، ۴: ۴۲۱)

حضرت اُم الفضل نے خواب دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے جسم کا ٹکڑا کٹ کر میری گود میں گر گیا ہے۔ اُنہوں نے اپنا یہ خواب آقا علیہ السلام سے عرض کیا تو حضور علیہ السلام نے اُس خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ فاطمہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا، وہ بیٹا آپ کی گود میں رکھا جائے گا۔

اب کوئی اگر یہ کہے کہ یہ خواب تھا، اس کی تعبیر مختلف ہوسکتی ہے، اس سے خاص استدلال کرنا کیسے جائز ہوا؟ تو اس امر کی بھی وضاحت ایک حدیث مبارک سے کردیتا ہوں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا: من رآني في النوم فقد رأى الحق

جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ اُس نے حق کو دیکھا۔

ایک عام مومن جب خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھتا ہے تو وہ حق دیکھتا ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ عام مومن کے اس خواب کی تعبیر مطلوب ہوتی ہے اور وہ کسی معبر کے پاس تعبیر کے لیے جاتا ہے مگر یہاں خواب حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا دیکھ رہی ہیں اور تعبیر آقا علیہ السلام خود ارشاد فرمارہے ہیں۔ اس لیے یہ قول حق ہوگیا کہ آقا علیہ السلام نے اپنے شہزادے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو براہ راست اپنے جسم کا ٹکڑا اقرار دیا۔ وہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کا بضعۃ بھی ہوئے اور بضعۃ الرسول ﷺ بھی ہوئے۔ گویا حسنین کریمین علیہما السلام بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح حضور علیہ السلام کے جسم کے حصے قرار پائے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت اور مدارِ ایمان

سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی عظمت و شان کے بیان کے ذیل میں مدارِ ایمان کو سمجھ لینے کے بعد اب حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کی محبت کس طرح مدارِ ایمان ہے اور ان سے بغض کس طرح بندے کو ایمان سے محروم کردیتا ہے؟ ذیل میں اس سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی وضاحت درج کی جاتی ہے:

۱۔ حضرت زر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

والذی فلق الحبة وبرأ النسمة إنه لعهد النبی الأمی إلی أن لایحبنی إلا مؤمن ولایبغضنی إلا منافق.

(صحیح مسلم، ۱: ۸۶، الرقم: ۷۸)

اُس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور اُس سے اناج اور نباتات اگائے۔ اُس ذات کی قسم جس نے جانداروں کو پیدا کیا۔ آقا علیہ السلام نے میرے ساتھ عہد اور وعدہ کیا کہ مجھ سے سوائے مومن کے کوئی اور محبت نہیں کرے گا اور سوائے منافق کے مجھ سے کوئی اور بُغض نہیں کرے گا۔

یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کی توفیق صرف مومن کو ہوگی اور ان کے ساتھ بُغض صرف منافق ہی کرے گا۔

۲۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

لَقَدْ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ أَنَّهُ لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ. (أخرجه الترمذي في السنن، كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۴۳، الرقم: ۳۷۳۶)

میرے ساتھ حضور علیہ السلام نے یہ وعدہ فرمایا کہ علی تمہارے ساتھ سوائے مومن کے کوئی محبت نہیں کرے گا اور تمہارے ساتھ سوائے منافق کے کوئی بُغض نہیں رکھے گا۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

إن کنا لنعرف المنافقین نحن معشر الأنصار ببغضهم علی بن ابی طالب (تاریخ مدینة دمشق، ۴: ۲۸۵)

ہم انصاری صحابہ کے پاس ایک پیمانہ تھا کہ اگر ہم نے پہچاننا ہوتا کہ منافق کون ہے؟ تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بغض سے منافق کی پہچان ہوجاتی تھی۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ منافق کو اِسی طریقے سے پہچانتے تھے کہ اگر اُس کے اندر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بُغض ہے تو وہ سمجھ لیتے کہ یہ شخص منافق ہے اور اگر کسی کے اندر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت ہوتی تو وہ سمجھ لیتے کہ یہ شخص مومن ہے۔

آقا علیہ السلام نے یہ کلمہ کبھی کسی اور کے لیے ارشاد نہیں فرمایا۔ آقا علیہ السلام اور صحابہ کرام نے ایمان کا جو پیمانہ دیا وہ حُبِ علی ہے اور منافقت کا جو پیمانہ دیا، وہ بُغضِ علی ہے۔ اب مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید ہمارے دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا پیمانہ لوگ بدل رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حُبِ علی کو ایمان کا پیمانہ اور بُغضِ علی کو نفاق کا پیمانہ قرار دے رہے ہیں جبکہ ہم نے اُس پیمانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو نکال دیا ہے اور یہ پیمانہ دیگر بزرگوں کے لیے مقرر کررہے ہیں۔ یہ حق ہمیں نہیں پہنچتا۔ ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے تو صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، سلف صالحین اور تاریخ اہل ایمان پر قائم رہنا ہوگا۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم سمتیں بدلیں اور نئے پیمانے مقرر کریں۔

۴۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور فرمان سے بھی ایمان کا پیمانہ واضح ہوجاتا ہے کہ عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

إن علیا منی وأنا منه وهو ولی کل مؤمن بعدی.

(صحیح ابن حبان، ۱۵: ۳۷۳، الرقم: ۶۹۲۹)

”علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد ہر مومن کا ولی علی ہے۔“

یہ بات ذہن نشین رہے کہ میں یہ احادیث شیعہ کتب سے بیان نہیں کررہا بلکہ اہل سنت کی کتب سے بیان کررہا ہوں۔ یہ وہ اَحادیث صحیحہ ہیں جن پر ہمارے عقیدے کا مدار تھا اور ہے اور رہنا چاہیے۔ وہ پیمانہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مقرر کیا اور اُنہوں نے آقا علیہ السلام سے لیا، ہمیشہ ہمارا پیمانہ بھی وہی ہونا چاہیے۔ میں اہل سنت علماء کرام، سلفی علماء کرام، دیوبند مکتب فکر کے علماء کرام، بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور دیگر علماء و مفکرین، اساتذہ، مبلغین، واعظین اور طلبہ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور ان کے

شعور کے کان کھولنا چاہتا ہوں کہ ہم کیا تھے اور ہمیں کیا ہونا چاہیے تھا مگر ہم رفتہ رفتہ کیا ہوتے جارہے ہیں۔۔۔؟ ہماری فکر میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے حوالے سے یہ تبدیلی کیوں آرہی ہے۔۔۔؟ افسوس کہ ہم میں سے اگر کوئی حبِ علی کا نام لے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو شیعہ اور رافضی ہو گیا ہے۔ حبِ علی، حبِ فاطمہ، حبِ حسنین کریمین علیہم السلام کا نام لے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو اہلِ سنت سے خارج ہو گیا ہے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اہلِ سنت اور اسلام میں داخل کرنے اور خارج کرنے کی اتھارٹی انھیں کس نے دی ہے۔۔۔؟ اہل سنت اور اسلام میں بندہ داخل و خارج صرف کلامِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ اُسی پیمانہ اور معیار پر ہو گا جو پیمانہ اور معیار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

مذکورہ حدیث مبارک میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان و اسلام کا ایک پیمانہ دیا ہے کہ ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ولایت علی کے ساتھ رکھے۔ یہاں اس امر کو بھی واضح کردوں کہ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی اور کے ساتھ محبت وولایت نہ ہو۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اُن کے قدموں اور جوتوں کی خاک ہمارے سر کا تاج ہے، وہ ہمارا ایمان ہیں۔ میں تو سیدنا صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، علی شیر خدا رضی اللہ عنہم کے در کا گدا ہوں۔ حتی کہ وہ صحابی جنہیں فقط ایک دفعہ ہی آقا علیہ السلام کی صحبت ملی اور ایمان پر وفات ہوئی، ابدال، نجباء، نقباء، غوث اور قطب بھی آقا علیہ السلام کے اس صحابی کے رتبے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ اٹل ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم حق ہیں اور اُن کی ترتیبِ خلافت حق ہے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا عنوان بنا کر حبِ اہل بیت علیہم السلام کو دلوں سے نکالنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و حرمت کا عنوان بنا کر مودّتِ اہل بیت علیہم السلام کو دلوں سے نکالنا اور حبِ اہل بیت کے ذکر کرنے کو رافضیت قرار دے دینا، یہ اِتنا بڑا فتنہ اور گمراہی ہے کہ یہ ہمارے ایمان کو جلا رہا ہے۔

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث مبارک میں ایمان و اسلام کے اس پیمانہ کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

أحبوا الله لما يغذوكم من نعمه وأحبوني بحب الله وأحبوا أهل بيتي لحبي. (ترمذی، السنن، ۵: ۶۶۴، الرقم: ۳۷۸۹)

یعنی اللہ سے محبت کرو، جو تمہیں نعمتوں سے نوازتا ہے۔ مجھ سے محبت کرو کہ میری محبت اللہ کی محبت ہے، میری محبت سے اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور میری اہل بیت سے محبت کرو، میری محبت کی خاطر، میری اہل بیت سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور تم میری محبت تک پہنچ جاؤ گے۔

اس فرمان میں آقا علیہ السلام سے محبت کا راستہ اہل بیتِ اطہار علیہم السلام کی محبت کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ پیمانے جو آقا علیہ السلام نے عطا کیے، اگر آج وہ پیمانے بوجوہ بدلنے لگ جائیں، یا اُن پیمانوں میں کچھ گرد و غبار اور ابہام داخل کردیں، لوگوں میں مغالطے پیدا کردیں، اُس پر بحث شروع کردیں اور خود تاویلات کرکے اسے اپنے مسلک اہل سنت سے دھکیلنے کا ذریعہ بنانے لگ جائیں تو یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ ہمیں اسلاف کے طریق سے قطعاً ہٹنا نہیں چاہیے۔

(۳) حسنینِ کریمین علیہم السلام کی محبت مدارِ ایمان

سیدہ کائنات اور سیدنا علی المرتضیٰ علیہما السلام کی محبت کے اجر اور ان سے بغض کے انجام کا احادیث مبارکہ کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد آیئے اب اس امر کا جائزہ لیں کہ حسنینِ کریمین علیہما السلام کی محبت کس طرح مدارِ ایمان ہے۔۔۔؟ اور ان سے بغض و عناد اور انھیں تکلیف و ایذاء پہنچانا کس طرح بندے کو ایمان کی دولت سے محروم کردیتا ہے۔۔۔؟ اس سلسلہ میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أحب الحسن والحسين فقد أحبني ومن أبغضهما فقد أبغضني. (ابن ماجہ، السنن، ۱: ۵۱، الرقم: ۱۴۳)

”جس نے میرے حسن اور حسین سے محبت کی، اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اُن سے بُغض رکھا، اُس نے مجھ سے بُغض رکھا۔“

۲۔ حسنین کریمین کی محبت کو پیمانۂ ایمان اور دخول جنت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أن رسول الله أخذ بيد حسن وحسين فقال من أحبني وأحب هذين وأباهما وأمهما كان معي في درجتي يوم القيامة. (ترمذی، السنن، ۵: ۶۴۱، الرقم: ۳۷۳۳)

آقا علیہ السلام نے دونوں شہزادوں حسن اور حسین کے ہاتھ پکڑ لیے اور فرمایا کہ جس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اِن دونوں

سے محبت کی اور اِن دونوں کے باپ سے محبت کی اور اِن دونوں کی ماں سے محبت کی، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہی جنت میں ہوگا۔ میں اُسے اپنی منزل میں ٹھہراؤں گا۔

۳۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

الحسن والحسين ابناى من أحبهما أحبني ومن أحبني أحبه الله ومن أحبه الله أدخله الجنة ومن أبغضهما أبغضني ومن أبغضني أبغضه الله ومن أبغضه الله أدخله النار.

(حاکم، المستدرک، ۳: ۱۸۱، الرقم: ۴۷۷۶)

”حسن اور حسین دونوں میرے بیٹے ہیں، جس نے اِن سے محبت کی، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اللہ اُس سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ محبت کرے، اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔ جو اِن دونوں سے بُغض رکھے، وہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بُغض رکھتا ہے، اللہ اُس سے بُغض رکھے گا اور جس سے اللہ نے بُغض رکھا، وہ دوزخ میں جائے گا۔“

۴۔ ایک اور روایت میں ہے کہ:

ومن أحبه الله أدخله جنات النعيم ومن أبغضهما أو بغى عليهما أبغضته ومن أبغضته أبغضه الله ومن أبغضه الله أدخله عذاب جهنم وله عذاب مقيم.

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۵۰، الرقم: ۲۶۵۵)

جو شخص اِن دونوں شہزادوں حسن اور حسین کے ساتھ محبت کرے، اللہ اسے جنات النعیم میں داخل کرے گا اور جو ان دونوں سے بُغض رکھے یا اِن پر زیادتی کرے یا اِن پر حملہ آور ہو، یا اِن کے خلاف بغاوت کرے، اِن کے خلاف اُٹھے، میں اُس کے ساتھ بُغض رکھوں گا اور جس کے ساتھ میں نے بُغض رکھا، اُس کے ساتھ اللہ نے بُغض رکھا اور جس کے ساتھ اللہ نے بُغض رکھا تو وہ اسے عذاب جہنم میں داخل کرے گا۔

اسلاف اور ائمہ تاریخ اسلام کی جمیع کتب، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے اقوال، ائمہ عقیدہ، ائمہ اُحادیث، ائمہ فقہ کی کتب اس امر کو واضح بیان کرتی ہیں کہ یزید نے سرعام امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ساتھ بُغض کا اظہار کیا۔ اس کے بُغض کی اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کروانے کے بعد بھی آپ علیہ السلام کی بے توقیری اور بے تکریمی کی حد کردی۔ کربلا میں جو جو مظالم اور قیامتیں برپا کیں وہ ایک طرف مگر جب سرانور اُس کے سامنے دربار میں لایا گیا تو اُس نے اپنی چھڑی امام حسین علیہ السلام کے لبوں پر ماری اور کہا کہ آج میں نے اپنے ان آباؤاجداد کا بدلہ لے لیا، جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے۔ حسین کو قتل کرکے میں نے آج اپنے مرے ہوئے آباؤاجداد کا بدلہ لے لیا ہے۔ غور کریں کہ اس کے اس کلام کے بعد کیا اب بھی اس کا ایمان رہ جاتا ہے؟

اس کلام میں اس نے خود اعلان کردیا کہ وہ کون ہے اور وہ اپنا تعلق اور نسبت کن کے ساتھ منسلک کررہا ہے۔۔۔؟ جبکہ آقا علیہ السلام نے ایمان کا پیمانہ یہ دیا کہ جس نے میرے حسنین علیہما السلام سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اُن سے بُغض کیا، اس نے مجھ سے بُغض کیا۔ جو آقا علیہ السلام سے بُغض رکھے، کیا وہ کبھی مومن ہوسکتا ہے۔۔۔؟ نہیں بلکہ وہ سب سے بڑا کافر ہے۔ اُس کے لیے کوئی اور حکم نہیں ہے۔

مذکورہ تمام احادیث کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے اور اس بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ یزید پر کفر اور لعن کا حکم کیوں ہے۔۔۔؟ اس پر اس اقدامِ قتل پر صرف فسق وفجور کا حکم کیوں نہیں۔۔۔؟ یزید پر لعن اور کفر کے حوالے سے اس امر کو مدنظر رکھنا ہوگا کہ اس مسئلہ کی بنیاد کیا ہے۔۔۔؟ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں اس اصول اور حکم کا اطلاق نہیں ہوگا کہ اگر کسی نے مسلمان کو قتل کیا تو وہ گناہ گار اور فاسق و فاجر ہوگا۔ نہیں، اِس مسئلے کی یہ بنیاد ہی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی بنیاد اذیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے۔ لہٰذا اسی سبب سے اذیت دینے والے کافر قرار پاتے ہیں۔ جب یہ بات سمجھ آجائے کہ بالعموم اہلِ بیتِ اطہار کے ساتھ اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے ساتھ یزید بغض رکھتا تھا اور اسی سبب اس نے اس خانوادہ کو اذیت و تکلیف پہنچائی تو یہ امر بھی احادیث صحیحہ کی روشنی میں متحقق ہے کہ جب کسی نے ان پاک نفوس کو تکلیف پہنچائی یا بغض رکھا تو اس کا ایمان کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا کیونکہ ان کو ایذاء و تکلیف پہنچانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچانا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچانا صریحاً کفر ہے۔

(جاری ہے)

آپ کے فقہی مسائل

شہادتِ امامِ حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کی یاد میں آنسو بہانا غیر شرعی یا ممنوع فعل نہیں ہے

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: یوم عاشورہ کے روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا افضل ترین عمل ہے کیونکہ احادیث مبارکہ میں اس کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ویسے تو یوم عاشورہ کے روزے کے حوالے سے بہت سی روایات ملتی ہیں، مگر اختصار کی خاطر چند احادیث درج ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ.

رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔(مسلم، الصحیح، ۲: ۸۲۱، رقم: ۱۱۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کو دیکھا کہ عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ یہ اچھا دن ہے، اس روز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن سے نجات دی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا روزہ رکھا۔

قَالَ فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ.

فرمایا کہ تمہاری نسبت موسیٰ علیہ السلام سے میرا تعلق زیادہ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم فرمایا۔(بخاري، الصحیح، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۹۰۰)

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کیا: اس دن کی تو یہود اور نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

جب اگلا سال آئے گا تو ہم ان شاء اللہ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابھی سال آنے نہ پایا تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔(مسلم، الصحیح، ۲: ۷۹۷، رقم: ۱۱۳۴)

دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صُومُوا يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَخَالِفُوا الْيَهُودَ، صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا، أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا. (ابن خزیمہ، الصحیح، ۳: ۲۹۰، رقم: ۲۰۹۵)

عاشورے کا روزہ رکھو اور اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو۔ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد اس کے ساتھ روزہ رکھو۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ عاشورے کے روزے رکھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہود کی مخالفت میں نویں اور دسویں محرم کے روزے ملا کر رکھنا بھی سنت ہے۔

سوال: شہدائے کربلا پر ہر سال ایک متعین تاریخ کو سوگ منانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بات ذہن میں رہے کہ شہدائے کربلا کا ہر سال سوگ نہیں منایا جاتا ہے بلکہ ان کی یاد میں غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔

غم کا یہ اظہار رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور رسول اللہ ﷺ کی چچی ہیں، ان سے مروی ہے کہ:

ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور (امام حسین علیہ السلام) کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہوگئی اور پھر (مڑ کر آپ کی طرف نظر اٹھائی تو) کیا دیکھتی ہوں کہ:

فَإِذَا عَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيقَانِ مِنَ الدُّمُوعِ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَالَكَ ﷺ قَالَ: أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ ابْنِي هٰذَا، فَقُلْتُ: هٰذَا ﷺ فَقَالَ: نَعَمْ، وَأَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَاءَ.

رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت (میں سے ایک جماعت) میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔ میں نے پوچھا: کیا اِس بیٹے کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، مجھے اس قتل گاہ کی زمین میں سے کچھ مٹی دی جو سرخ تھی۔

(حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۱۹۴، الرقم، ۴۸۱۸)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے واقعہ کربلا کی خبر دیتے ہوئے آنسو بہائے، اس لیے آج بھی شہدائے کربلا کی یاد تازہ کی جاتی ہے، ان کی مظلومانہ شہادت پر غمگیں ہوا جاتا ہے، آنسو بہائے جاتے ہیں اور ان کی شہادت کے مقاصد کو بیان کیا جاتا ہے جس میں سے کوئی شے بھی غیر شرعی یا ممنوع نہیں ہے۔

یاد رکھیں! سوگ مرنے والے کے ورثاء تین دن تک اور اس کی بیوی چار ماہ دس دن تک کرتی ہے، پھر اس کی یاد تازہ کی جاسکتی ہے، اس کی یاد میں غمگیں ہونا ممنوع نہیں ہے، اس کو یاد کر کے آنسو بہانے کی بھی ممانعت نہیں، لیکن اس کی بیوی نہ ہر سال عدتِ سوگ مناتی ہے اور نہ باقی ورثاء تین دن کے لیے کام کاج چھوڑ کر گھر بیٹھ کر تعزیت کرتے ہیں۔ تاہم شہدائے کربلا کی داستانِ حریت و عزیمت نہایت المناک ہے۔ شہدائے کربلا کی یاد تازہ کرنے کے لیے اس قدر اہتمام کی انفرادی وجوہات ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف 'فلسفہ شہادتِ امام حسینؑ' ملاحظہ کیجیے۔

سوال: خلفائے ثلاثہ کی اولادیں امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شریک کیوں نہیں تھیں؟

جواب: خلفائے ثلاثہ کی اولادیں کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شریک نہیں تھیں۔ اُن کے شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے جنگ کیلئے روانہ نہیں ہوئے تھے اور نہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام یا تابعین کو اپنے ساتھ محاذ پر چلنے کی دعوت دی تھی۔ امام حسین علیہ السلام کسی صورت محاذ آرائی کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام چاہتے تو ہزاروں صحابہ کرام اور تابعین کو ساتھ لے کر نکل سکتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے شہرِ مدینہ چھوڑا اور مکہ مکرمہ آئے، پھر ایامِ حج میں شہرِ مکہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس سارے سفر میں آپ نے امن و امان کی کوششیں کیں مگر یزید لعین نے اقتدار کی ہوس میں سانحہ کربلا برپا کیا۔

المختصر یہ کہ امام حسین علیہ السلام نہ ارادۂ جنگ سے نکلے تھے، نہ آپ علیہ السلام نے اہلِ مدینہ کو ساتھ نکلنے کی دعوت دی تھی، اس لیے اکابر صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے۔

سوال: کیا سیدنا امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد ریاست کے خلاف بغاوت تھی؟

جواب: سیدنا امام حسین علیہ السلام نے ایک شرابی، زانی، ظالم، جابر، سفاک اور درندہ صفت حکمران یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا، یعنی اس کو ووٹ نہیں دیا تھا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے برائی کے کاموں میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن یزید چاہتا تھا کہ اگر نواسہ رسول ﷺ میری بیعت کرلیں تو باقی بہت سے لوگ بھی مجھے

حکمران مان لیں گے، یعنی ووٹ دے دیں گے۔ لیکن سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اس کے غلط طرز زندگی کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے صاف انکار کر دیا لیکن یزید کے ساتھ براہ راست مذاکرات کرنے کو کہا کہ میں دلیل سے بات کروں گا۔ یزید جھوٹا اور مکار ہونے کی وجہ سے خود تو سامنے نہ آیا لیکن زبردستی بیعت کروانے کا منصوبہ بنالیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی فیملی سمیت مدینۃ الرسول ﷺ چھوڑ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے، انہیں ڈر تھا کہ مدینہ پاک میں کہیں خون نہ بہے۔ دوسری طرف اس دوران کوفہ والوں نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی کہ ہمارے پاس آ جائیں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن آپ علیہ السلام ابھی مکہ میں تھے کہ حج کا مہینہ شروع ہو گیا۔ آٹھ ذوالحجہ کو پھر امام عالی مقام نے سوچا کہ یہاں بھی مسلمان کا اجتماع ہوگا کہیں ایسا نہ ہو کہ ظالم، سفاک یزید کی افواج سے ٹکرا ہو جائے اور حرم پاک میں خون کی ندیاں بہہ جائیں، اسی لیے امن کے دامن کو تھامتے ہوئے آپ علیہ السلام نے کوفہ جانے کی غرض سے سفر شروع کر دیا لیکن یزیدی لشکر نے آپ رضی اللہ عنہ کو کربلا کے مقام پر روک لیا اور سات محرم الحرام کو آپ رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا اور یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا حتی کہ دس محرم الحرام کو یزیدی لشکر نے ظلم کے پہاڑ ڈھا دیئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو فیملی اور ساتھیوں سمیت شہید کر دیا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے شروع سے آخر تک صبر اور امن کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ امن کے داعی تھے، آپ نے کہیں بھی ریاست سے بغاوت کا حکم نہیں دیا۔ امت مسلمہ بلکہ غیر مسلم بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے صبر کی مثال قائم کر دی اور امن کا سبق دیا۔ خون خرابے سے بچنے کی غرض سے شہر مدینہ بھی چھوڑ دیا اور مکۃ المکرمہ بھی۔ لہذا معلوم ہوا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک قدم بھی ایسا نہیں اٹھایا کہ جس میں ریاست سے بغاوت کا عنصر پایا جاتا ہو۔ بیعت کرنے یعنی ووٹ دینے میں ہر کوئی آزاد ہوتا ہے جس کو مرضی دے۔ ایسا تو خالق کائنات نے نہیں کیا کہ زبردستی کسی سے کوئی کام کروائے۔ اچھائی اور برائی دونوں راستے انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں، جو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ یزید کون ہوتا ہے جو زبردستی نواسہ رسول ﷺ کو بیعت کرنے پر مجبور کرے؟

اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب 'دہشت گردی اور فتنہ خوارج' کا مطالعہ کریں۔

سوال: امام حسین علیہ السلام کے بریدہ سر سے تلاوتِ قرآن جاری ہونے کی روایت کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: سرِ امام حسین علیہ السلام کا نیزے پر تلاوت کرنا روایات سے ثابت ہے جبکہ یہ روایات اہل سنت کی معتبر کتابوں میں نقل کی گئی ہیں۔ حوالہ جات کے ساتھ دو روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

أَنَا وَاللهِ رَأَيْتُ رَأْسَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ حُمِلَ وَأَنَا بِدِمَشْقٍ وَبَيْنَ يَدَيِ الرَّأْسِ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ حَتَّى بَلَغَ قَوْلَهُ تَعَالَى: (أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا) قَالَ فَأَنْطَقَ اللهُ الرَّأْسَ بِلِسَانٍ ذَرِبٍ فَقَالَ أَعْجَبُ مِنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ قَتْلِيْ وَحَمْلِيْ.

خدا کی قسم میں نے حسین بن علی کے سر کو نیزے پر دیکھا ہے اور میں اس وقت دمشق میں تھا۔ وہ سر سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا حتی کہ باری تعالی کے اس فرمان پر پہنچا: (أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا) وہ کہتا ہے کہ اس آیت کے فوری بعد سر نے واضح اور بلیغ زبان میں کہا کہ اصحاب کہف سے زیادہ عجیب میرا قتل ہونا اور میرے سر کو نیزے پر اٹھانا ہے۔

(ابن عساکر، تاریخ مدینۃ ودمشق، ۶۰: ۳۷۰) (ابن منظور المصري مختصر تاریخ دمشق، ۳: ۳۶۲) (صلاح الدین الصفدي، الوافي بالوفیات، ۱۵: ۲۰۵) (جلال الدین السیوطی، الخصائص الکبری، ۱: ۲۱۶) (جلال الدین السیوطی، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، ۱: ۲۱۰) (الصالحي الشامي، سبل الھدی والرشاد ۱۱: ۷۶) (عبد الرؤوف المناوي، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۱: ۲۰۵)

۲۔ ایک اور روایت جس میں سلمہ بن کہیل نے بیان کیا:

رَأَيْتُ رَأْسَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَلَى الْقَنَا وَهُوَ يَقُولُ (فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)

میں نے حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کے سر کو نیزے پر دیکھا ہے وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا (فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ). (ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، ۲۲: ۱۱۷)

امام حسین علیہ السلام کے سر انور سے قرآن مجید کی تلاوت جاری ہونا محال نہیں ہے۔ مولانا محمد نعیم الدّین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

در حقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرتِ امامِ عالی مقام علیہ السلام کو ان کے نانا جان ﷺ کی اُمّت نے مہمان بنا کر بلایا، پھر بیوفائی سے پانی تک بند کر دیا! آل و اصحاب علیہم الرضوان کو حضرتِ امامِ پاک علیہ السلام کے سامنے شہید کیا۔ پھر خود حضرتِ امامِ عالی مقام علیہ السلام کو شہید کیا، اہلبیتِ کرام علیہم الرضوان کو اسیر بنایا، سرِ مبارک کو شہر شہر پھرایا۔ اصحاب کہف سالہا سال کی طویل نیند کے بعد بولے یہ ضرور عجیب ہے مگر سرِ انور کا تنِ مبارک سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا عجیب تر ہے۔

(مراد آبادی، سوانحِ کربلا، ص:۱۱۸)

سوال: یزید کے بارے میں امام اعظم کا موقف کیا تھا؟

جواب: حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ محبتِ آلِ رسول ﷺ کے سبب آپ کو بنو امیہ کے حکمرانوں اور عمال نے قید و بند کی صعوبتوں سے گزرا اور آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ یہاں تک کہ جیل میں ہی آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ آپ کے بارے میں یہ گمان قطعی غلط ہے کہ آپ نے یزید کے معاملے میں خاموشی اختیار کرنے کا کہا ہے۔ کسی مستند کتاب میں امام اعظم کا ایسا کوئی موقف نہیں ملتا۔

آپ نے اموی بادشاہت کی مخالفت کی، ان سے جنگ کرنے کو چالیس نفلی حجوں سے زیادہ ثواب والی عبادت قرار دیا، شورشوں میں آلِ فاطمہ کا ساتھ دیا تو آلِ فاطمہ کے قاتلِ اعظم پر خاموشی کیسے اختیار کر سکتے ہیں؟ عظیم مؤرخ ابن خلکان اپنی کتاب تاریخ ابن خلکان المعروف وفیات الأعیان میں بیان کرتے ہیں:

وَسُئِلَ الْكِيَّا أَيْضًا عَنْ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنَ الصَّحَابَةِ لِأَنَّهُ وُلِدَ فِي أَيَّامِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ وَأَمَّا قَوْلُ السَّلَفِ فَفِيهِ لِأَحْمَدَ قَوْلَانِ تَلْوِيحٌ وَتَصْرِيحٌ وَلِمَالِكٍ قَوْلَانِ تَلْوِيحٌ وَتَصْرِيحٌ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلَانِ تَلْوِيحٌ وَتَصْرِيحٌ وَلَنَا قَوْلٌ وَاحِدٌ التَّصْرِيحُ دُونَ التَّلْوِيحِ وَكَيْفَ لَا يَكُونُ كَذَلِكَ وَهُوَ اللَّاعِبُ بِالنَّرْدِ وَالْمُتَصَيِّدُ بِالْفُهُودِ وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ وَشِعْرُهُ فِي الْخَمْرِ مَعْلُومٌ.

الکیّا سے بھی یزید بن معاویہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یزید صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا۔ رہا سلف کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں اس کی تصریح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے بھی دو قول ہیں: ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ اور دوسرے میں تصریح ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بھی اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ ہے اور دوسرے میں یزید پر لعنت کی تصریح ہے اور ہمارا تو بس ایک ہی قول ہے، جس میں اس پر لعنت کی تصریح ہے، اشارہ کنایہ کی بات نہیں۔ اور وہ کیوں ملعون نہ ہو گا حالانکہ وہ نرد کھیلتا تھا، چیتوں سے کھیلا کرتا تھا۔ شراب کا رسیا تھا، شراب کے بارے میں اس کے اشعار سب کو معلوم ہیں۔ (ابن خلکان، وفیات الأعیان الزمان، ۳: ۲۸۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیگر آئمہ اہلِ سنت کی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یزید پر لعنت کے قائل تھے اور اسے مستحقِ لعنت گردانتے تھے۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ”القول المتین فی امر یزید اللعین“ (یزید کے کفر اور اس پر لعنت کا مسئلہ؟) کا مطالعہ کریں۔

سوال: کیا کسی کو فرعون اور یزید کہنا درست ہے؟

جواب: فرعون اور یزید جو شخصیات کے نام تھے، مگر ان کی ذہنیت اور نظامِ حکومت کی وجہ اب وہ اس ذہنیت اور نظام کے استعارے بن چکے ہیں۔ یزید کی سوچ اور اس کا نظام یزیدیت کہلاتا ہے، جبکہ فرعون کی ذہنیت اور نظامِ حکومت کو فرعونیت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں سوچیں اور نظام چونکہ ظلم، زیادتی، کرپشن، لوٹ مار، قتل وغارت، دہشت گردی اور غنڈہ گردی پر مبنی ہیں، تو جو شخص بھی ایسی سوچ رکھتا ہو یا ایسے نظام کو تقویت دے، وہ فرعونی اور یزیدی کہلاتا ہے۔ ان لوگوں کو یہ نام دینے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فرعون یا یزید ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اسی رویہ کے مالک ہیں جو فرعون یا یزید کا تھا۔

اسلامی ریاست میں اگر کوئی ایسا شخص اقتدار پر قابض ہو جائے، تو ضروری ہے کہ اس کا اصل ظالمانہ چہرہ دنیا کے سامنے لایا جائے تاکہ لوگ اس کو اقتدار سے نکال باہر کریں۔ قرآنِ مجید نے بھی یہی اصول سکھایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا۔ (النساء، ۴: ۱۴۸)

اللہ کسی (کی) بری بات کا بآوازِ بلند (ظاہراً و علانیۃً) کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو (اسے ظالم کا ظلم آشکار کرنے کی اجازت ہے)، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

درج بالا آیت سے یہ اصول اخذ ہوا کہ جب ظالم لوگ اقتدار پر قابض ہو جائیں تو ان کے ظلم کو روکنا، ان کے خلاف احتجاج کرنا اور انہیں مروجہ طریقوں کے ذریعے اقتدار سے ہٹانا ضروری ہے۔ اسلام ایک کامل دین اور مکمل دستور حیات ہے۔ اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے وہیں اجتماعی زندگی کے زرین اصول بھی وضع کرتا ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اسلام کا نظامِ سیاست و حکمرانی موجودہ جمہوری نظام کے نقائص و مفاسد سے کلیتاً پاک ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں جہاں عبادت کی اہمیت ہے، وہیں معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے۔ اسلام کا جس طرح اپنا نظامِ معیشت ہے اور اپنے اقتصادی اصول ہیں، اسی طرح اسلام کا اپنا نظامِ سیاست و حکومت بھی ہے۔ ❁❁❁❁❁

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام
کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے
ماہنامہ منہاج القرآن کی
سالانہ خریداری حاصل کریں
زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے
اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب
اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں
365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
0300-8886334 Whatsapp: 03008105740
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

تاریخ اسلام میں نظامِ حکومت کے باب میں عہدِ رسالتمآب ﷺ کے بعد جو عہدِ حکومت تمام زمانوں میں دنیا بھر کے حکمرانوں کے لیے طرزِ حکمرانی کے اعتبار سے چمکتا اور دمکتا رہا ہے اور جس کے طرزِ حکومت کو آج بھی ہر حکمرانِ وقت اپنے لیے ایک مثال سمجھتا ہے، وہ حضرت عمر فاروق ؓ کا عہد ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے عہد میں اسلام کے نظامِ حکومت کی ایک منظم، مربوط اور فعال داغ بیل ڈالی۔ آپ ؓ نے اپنی اعلیٰ طرزِ حکمرانی کے ذریعے ہی اپنی سلطنت کو اس حد تک وسعت دی کہ قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتیں بھی اسلامی ریاست کا حصہ بن گئیں۔ ذیل میں آپ ؓ کے طرزِ حکمرانی کے بنیادی خدوخال کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ فاروق اعظم ؓ کی حکمرانی کا جمہوری انداز

حضرت عمر فاروق ؓ کا طرزِ حکمرانی شخصی نہیں بلکہ جمہوری تھا۔ حکمرانی کا جمہوری انداز ہی تعلیماتِ اسلام کے موافق ہے۔ شخصی حکمرانی میں عوام کی رائے شامل نہیں ہوتی ہے اور ایک شخص ہی تمام تر معاملات میں کل اختیارات اور تمام قضایا اور فیصلہ جات کا مالک ہوتا ہے۔ جبکہ جمہوری حکمرانی میں ہر ہر مسئلے پر عوام کی رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور حکمرانوں کے ذاتی اختیارات نہیں رہتے بلکہ اجتماعی رائے کے مطابق حکومت کی جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے تمام فیصلہ جات کو جمہوری انداز میں کیا ہے اور جب بھی کسی مسئلے کے لیے کسی رائے کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ ؓ ''الصلوۃ جامع'' کے الفاظ کے ذریعے ایک اعلان کراتے تھے جس کے مطابق لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے تھے۔ پھر آپ ؓ دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے اور اس کے بعد اپنا مدعا اور مقصد لوگوں کے سامنے بیان کرتے۔ آپ ؓ معمولی اور روزمرہ کے فیصلے اسی مجلس میں کیا کرتے تھے۔ اس کی درج ذیل مثالیں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں:

۱۔ جب عراق اور شام فتح ہوئے تو بعض صحابہ کرام ؓ نے مشورہ دیا کہ تمام مفتوحہ علاقے فوج کو بطورِ جاگیر دے دیئے جائیں اور اس حوالے سے بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ مہاجرین اور انصار میں سے دس دس بڑے سردار مشورے کے لیے بلائے گئے۔ ان سے مشاورت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان یتبعوا ھذا الذی ھوای۔ (قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۴)

''میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں اور میں نہیں چاہتا کوئی صرف میری وجہ سے میری رائے کی پیروی کرے۔''

۲۔ اسی طرح 21 ہجری میں نہاوند کے معرکے کے لیے یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ خلیفۂ وقت بھی بنفسِ نفیس اس معرکے میں شریک ہوں یا نہ ہوں؟ اس مسئلے پر مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے باری باری اپنی رائے دی کہ آپ کا خود جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے

کھڑے ہو کر اس موقف کی تائید میں تقریر کی۔ کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت عمر فاروق ؓ موقع جنگ پر نہ جائیں۔

(کنز العمال، مصنف ابن ابی شیبہ، ۳: ۱۳۹)

۳۔ اسی طرح فوج کی تنخواہوں، عمال کے تقرر اور غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان سے محصول کی وصولی کے لیے عام فیصلہ جات بھی اسی طرح مجلس شوریٰ کے ذریعے کیے گئے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کا اندازِ حکمرانی سراسر جمہوری تھا۔ آپ ؓ کی خلافت کی ساری بنیاد ہی جمہوریت پر تھی اور یہی جمہوریت خلافت کی اصطلاح میں مشاورت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اسلامی طرز حکمرانی اور خلافت کی اساس بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لاخلافة الاعن مشورة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳: ۱۳۹)

"خلافت کا طرز حکومت صرف اور صرف مشاورت پر منحصر ہے۔"

☆ مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس حکومتی معاملات کا روزانہ کی بنیاد پر جائزہ لینے کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتی تھی۔ اس میں اہل الرائے صحابہ کرامؓ شریک ہوتے تھے اور نظام خلافت کے ماتحت علاقوں سے آنے والی خبروں کا جائزہ لیا جاتا تھا اور اس حوالے سے اجتماعی رائے پر مبنی اقدامات اٹھائے جاتے تھے۔

اس کی ایک مثال کوفہ، بصرہ اور شام میں خراج وصول کرنے کے لیے عمال کا تقرر ہے۔ آپ ؓ نے تینوں صوبوں میں اپنے احکام ارسال کیے کہ وہاں کے لوگ اپنی اجتماعی مرضی اور رائے کے مطابق اپنی پسند کے لوگوں کے نام بھیجیں جو ان کے نزدیک زیادہ دیانتدار اور قابل ہوں۔ چنانچہ ان علاقوں سے جو نام بھیجے گئے، حضرت عمر فاروق ؓ نے ان ہی لوگوں کو ان علاقوں کا حاکم مقرر کیا۔ (ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۶۴)

اسی طرح یہی اجتماعی رائے اگر کسی عامل کے خلاف ہو جاتی اور اس کا جرم ثابت ہو جاتا تو آپ ؓ لوگوں کی اس جمہوری رائے کے احترام میں اس عامل کو اس کی ذمہ داریوں سے معزول کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے اسلام کے عظیم اور نامور فاتح حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جو بہت رتبے اور مرتبے کے صحابی رسول تھے اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب کثرت کے ساتھ لوگوں کی ان کے خلاف شکایات موصول ہوئیں تو آپ ؓ نے فوراً ان کو گورنر شپ سے معزول کر دیا۔

(کتاب الخراج، ص ۶۴)

۲۔ جمہوری طرزِ حکمرانی کے راہنما اصول

جمہوری طرز حکمرانی کا یہ اصول بھی اسلامی نظامِ حکومت کا طرۂ امتیاز رہا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور فرائض کا مکمل شعور تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی حکومت میں ہر شخص کو اظہارِ رائے کی نہایت آزادی حاصل تھی۔ لوگ اعلانیہ اپنے جمہوری حقوق کا اظہار کرتے تھے اور کوئی بھی سرکاری اہلکار اور عامل ان کے حقوق کو سلب نہیں کر سکتا تھا۔ (الفاروق، ص ۱۶۸)

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے جمہوری طرزِ حکمرانی کو سب سے زیادہ اپنی ذات پر نافذ کیا ہوا تھا۔ جب ایک حاکم خود جمہوری سوچ کا مالک ہو تو نتیجتاً ہر جگہ جمہوری روایات کی پاسداری نظر آتی ہے۔ جمہوری طرزِ حکمرانی کے اصول یہ ہیں کہ

۱۔ حاکمِ وقت عام لوگوں کے ساتھ عام حقوق میں برابری اور مساوات رکھنے والا ہو۔

۲۔ وہ عام لوگوں کی طرح قانون کی پابندی کرے اور قانون کی پابندی سے خود کو مستثنیٰ نہ بنائے۔

۳۔ ریاست کی آمدنی اپنی ذات پر بے جا صرف نہ کرے۔

۴۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔

۵۔ اس کے اختیارات محدود ہوں اور وہ مطلق العنان ہرگز نہ ہو۔

۶۔ ہر شخص کو اس پر تنقید کا بنیادی جمہوری حق حاصل ہو۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ سارے جمہوری ضابطے اور اصول اپنی ذات پر لاگو کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنے طرز حکمرانی میں اس قدر جمہوری رویے کے حامل تھے کہ آج بڑی سے بڑی اور نامور جمہوریت اور جمہوری حکمرانوں میں ایسے جمہوری حقوق کی مثالیں ناپید نظر آتی ہیں۔

۱۔ حضرت عمر فاروق ؓ جہاں لوگوں کو ان کے جمہوری حقوق کے بارے میں آگاہ فرماتے، وہاں وہ اپنی ذات کو بحیثیتِ حاکم اپنی ذمہ داریوں کی یاد دہانی بھی کراتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”مجھے تمہارے بیت المال (قومی خزانے) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں حق ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو تمہارے قومی خزانے سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوں گا تو اور لوگوں کی طرح دستور کے موافق کھانے کے لیے کچھ لے لوں گا۔ اے لوگو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تم مجھ سے مواخذہ کر سکتے ہو۔ تم سے خراج اور مالِ غنیمت و ملکی ٹیکس بے جا طور پر جمع نہ کروں اور ان کو بے جا طور پر خرچ نہ کروں۔ میں تمہارے روزینے و تنخواہیں بڑھادوں اور ملکی سرحدیں و دفاع مضبوط و محفوظ رکھوں اور تمہاری زندگیوں کو خطرات میں نہ ڈالوں۔“

(ابویوسف کتاب الخراج، ص ۶۰)

جمہوریت کا یہ نقشہ اور جمہوری حاکم کا یہ رویہ آج اسلام کے ماننے والوں کو اپنے اپنے وطن اور اپنے اپنے خطے میں درکار ہے۔

۲۔ ایک موقع پر کسی عام شہری نے امیر المومنین ؓ کو ٹوک دیا اور انتہائی سخت اور ترش الفاظ کہتے ہوئے یوں مخاطب ہوا:

اتق اللہ یا عمر۔ (کتاب الخراج، ص ۶۷)

”اے عمر اللہ سے ڈرو۔“

وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے اسے روکا کہ ایسا نہ کہو۔ آپ ؓ نے فرمایا: نہیں، اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہیں کہیں گے تو انہوں نے اپنا حقِ امانت پورا نہیں کیا اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم نے اپنے فرض کو نہیں نبھایا۔ (الفاروق، ص ۱۶۹)

۳۔ فاروقِ اعظم ؓ عظیم منتظم

حکومت کے نظام اور اس کے نسق و انتظام کی خوبی و حسن اور ترقی کی دلیل یہ ہے کہ تمام شعبہ جات ترقی کریں اور سب ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد بھی ہوں۔ ذیل میں آپ ؓ کے طرزِ حکمرانی میں سے انتظام و انصرام کے چند نمایاں پہلو ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت عمر فاروق ؓ اسلام میں وہ پہلے حکمران ہیں جنھوں نے اپنے زیر سلطنت علاقوں کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا۔ ہر علاقے کی موزوں اور مناسب حدود کا تعین کیا۔ آپ نے اپنی ماتحت سلطنت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔ جن میں مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین شامل تھے۔ یہ انتظام حضرت عمر فاروق ؓ نے 20 ہجری میں کیا تھا۔ بعد ازاں سلطنت کی وسعت کے ساتھ مزید صوبوں فارس، خوزستان اور کرمان وغیرہ کا بھی اضافہ ہوا۔ ہر صوبے کے 10 سے پندرہ اضلاع تھے۔ صوبے کا بڑا افسر گورنر و عامل ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ کاتب، میر منشی، کاتب دیوان فوج کا میر منشی، صاحب الخراج (کلکٹر)، صاحب احداث (پولیس افسر) اور صاحب بیت المال (افسر خزانہ) اور قاضی تھے۔

(طبری، ۷، ۲۶۴۷، ابن خلکان، ۲۵۳)

اضلاع میں عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے۔ یہ سب کے سب گورنر کے ماتحت اور اس کے زیر نگرانی حکومتی معاملات چلاتے تھے۔

۲۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے ان اہم ذمہ داریوں پر تقرر کے لیے ایک ضابطۂ انتخاب بھی وضع کیا ہوا تھا۔ آپ لوگوں میں سے اس کا انتخاب کرتے تھے جو انتہائی قابل، لائق اور راست باز ہوتا تھا۔ انتخاب کے حوالے سے حضرت عمر فاروق ؓ کی بیدار مغزی اور تدبیر انھیں تاریخِ عالم میں ایک منفرد اور ایک ممتاز مقام پر فائز کرتی ہے۔ ان کی جوہر شناس طبیعت نے ہمیشہ قابل، لائق اور اچھے لوگوں کو ہر ذمہ داری کے لیے تراشا ہے اور ان کو منتخب کیا ہے۔

۳۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی تجویز پر سرکاری اہلکاروں کی بیش از بیش تنخواہیں مقرر کیں تھیں تاکہ یہ ہر قسم کی خیانت و رشوت سے محفوظ رہیں۔ اگر کوئی عہدہ زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا تو اس کے انتخاب کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کرتے اور جو شخص تمام ارکان مجلس شوریٰ کی طرف سے منتخب کیا جاتا تھا، اسے کسی انتہائی اہم ذمہ داری پر مامور کرتے تھے۔ (الفاروق، ص ۱۷۴)

۴۔ آپ عاملوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرتے اور ان پر کاربند رہنے کے لیے ان کو پابند کرتے ہوئے ارشاد فرماتے:

"یاد رکھو! میں نے تمھیں لوگوں پر صرف حکم چلانے والا مقرر نہیں کیا ہے اور نہ ان پر ظلم و جبر کرنے والا مقرر کیا ہے بلکہ میں نے تمھیں ان پر راہنما مقرر کیا تاکہ وہ تمہاری زندگی کی پیروی کریں اور تم سب مسلمانوں کے بلا تفریق حقوق ادا کرو، ان پر کسی قسم کا تشدد اور ظلم نہ کرو اور نہ ہی ان کو ذلیل ورسوا کرو اور نہ ہی ان کی بے جا تعریف کرو کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہوں اور ان لوگوں کے لیے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ کہیں ان کے قوت والے ان کے کمزوروں کو نقصان نہ پہنچائیں اور ان میں سے کسی کو ایسی ترجیح نہ دو کہ وہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرے۔" (کتاب الخراج، ص۶۶)

۴۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی حاکمانہ صفات

۱۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہدِ حکومت میں ہر عامل و گورنر سے اس زمانے کے مطابق وعدہ و عہد لیا جاتا تھا کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر نہیں کرے گا اور عام لوگوں کی طرح سادہ طرزِ زندگی کو اپنائے گا۔ ظاہری نمود و نمائش سے اعراض کرے گا اور عام لوگوں کی خدمت کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ کھولے رکھے گا۔ (کتاب الخراج، ص۶۶)

۲۔ آپؓ جوں ہی کسی شخص کو عامل و گورنر مقرر کرتے تھے۔ اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر رکھ لیتے تھے۔ اگر کسی حکومتی عہدیدار، وزیر، مشیر اور گورنر کے مال و اسباب میں کوئی غیر معمولی ترقی اور اضافہ دورانِ حکومت ہوتا تھا تو اس کا مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک موقع پر کچھ عمال اس ضابطے کی زد میں آئے تو آپ ؓ نے ان کے سب مال و اسباب کا جائزہ لے کر زائد مال کو قومی خزانے میں جمع کر لیا تھا۔

(ابو یوسف، کتاب الخراج، ص۶۶)

۳۔ آپؓ عمال کو یہ تاکیدی حکم دیتے تھے کہ تم لوگوں کے حقوق کو ضائع اور تلف نہ کرو، وگرنہ وہ لوگ کفرانِ نعمت کرتے ہوئے تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ (کتاب الخراج، ص66)

۴۔ عمال کی جتنی بھی شکایات آتی تھیں ان کے تدارک کے لیے محمد بن مسلمہ ؓ کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی وہ موقع پر جا کر لوگوں کی رائے معلوم کرتے تھے۔ (تاریخ طبری، ص۲۶۰۶)

گورنر و عمال کی اس کڑی نگرانی کا مقصد یہ تھا کہ تمام ملک و سلطنت میں ہر سطح پر مساوات اور جمہوریت کی روح کو فروغ دیا جائے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ حکومتی اہلکار اور عہدیدار اس کی عملی مثال بنیں۔ اس لیے کہ ان کے افعال کا اثر معاشرے کے تمام افراد پر پڑتا ہے۔ اگر ارکانِ سلطنت کا طرزِ حیات اور طرزِ معاشرت جدا اور ممتاز ہو گا تو لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں نفرت اور حقارت پیدا ہو گی اور رفتہ رفتہ یہ ساری چیزیں نظامِ حکومت کو جمہوریت سے نکال کر شخصی آمریت کی طرف لے جائیں گی۔

۵۔ حضرت عمر فاروق ؓ سیاست کے اصولوں سے خوب واقف تھے۔ آپؓ اپنی خلافت کے ماتحت خطوں کے حالات اور ان کے باسیوں کی نفسیات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عراق و ایران میں مدت سے کسان و دہقان چلے آتے تھے، اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ آپ نے ان کے لیے تنخواہیں مقرر کر دیں جس کی وجہ سے وہ ریاست و حکومت سے مطمئن ہو گئے۔ اس طرح شام اور مصر کے لوگ رومیوں کے ظلم سے بہت تنگ تھے۔ وہ ایک عادل اور منصف حکومت کے طالب تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے انھیں متعدد مراعات عطا کیں جس کی بنا پر انہوں نے کہا ہمیں مسلمان؛ رومیوں کی نسبت زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ (الفاروق، ص۲۸۸)

۶۔ مصر میں مقوقس رومی سلطنت کا نمائندہ اور نائب تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شروع سے ہی اس کے ساتھ حسنِ سلوک اور اعلیٰ برتاؤ کا مظاہرہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ آپ کا معتقد بن گیا تھا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھی۔ مقوقس نے جنگی مقامات پر عرب مسلمان خاندانوں کو آباد کرا دیا تھا اور فوجی چھاؤنیاں قائم کرا دیں تھیں۔ جس کی وجہ سے سیکڑوں میل تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا تھا اور کسی کو بھی بغاوت کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ (الفاروق، ص۲۸۹)

۷۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے امیر و غریب، سردار و غلام کے لیے بحیثیت حاکم قانون کو یکساں بنا دیا تھا۔ ہر کوئی قانون کی نظر میں برابر تھا۔ کسی کو بھی اپنے معاشرتی درجہ و مرتبہ کی بنا پر قانون

پر کوئی فوقیت اور ترجیح حاصل نہ تھی۔ جبلہ بن الایہم غسانی جو شام کا مشہور رئیس اور بادشاہ تھا، مسلمان ہونے کے بعد جب وہ کعبۃ اللہ کا طواف کرنے آیا تو اس دوران اس کی چادر کا ایک کونہ کسی عام شخص کے پاؤں تلے آگیا۔ جبلہ نے اس شخص کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا اور اس نے بھی اس کو برابر کا جواب دیا۔ اس سے وہ انتہائی طیش اور غصے میں آگیا اور اپنا مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ آپ نے اس کی شکایت کو اچھی طرح سنا اور اس کے بعد فیصلہ دیا کہ تم نے جو کچھ کیا تھا، اس کی سزا پائی ہے۔ اسے اس فیصلے پر سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبے کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ ہمارے وطن میں گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں یہاں بھی ایسا ہی ہوتا تھا لیکن اسلام نے پست و بلند سب کو ایک اور برابر کر دیا ہے۔ غرضیکہ آپ نے اس بادشاہ کی خاطر اسلام کے قانون کو نہیں بدلا بلکہ اسے اسلام کے قانون کے مطابق خود کو بدلنے کا پابند کیا۔

(ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۶۶)

۸۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں سب برابر تھے۔ اس حوالے سے اپنے عزیز و اقارب حتی کہ اپنی اولاد کو بھی کسی پر ہر گز ترجیح نہ دیتے تھے۔ جنگ قادسیہ کے بعد تمام قبائل عرب اور صحابہ کرامؓ کی تنخواہیں مقرر کیں تو سرداران قریش اور رئیسانِ قبائل اپنے خود ساختہ امتیاز اور اپنے مصنوعی اعزاز کے لیے بے تاب تھے اور حفظ مراتب میں وہ اپنی اولیت دیکھتے تھے۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے تمام گمان اور خیالات غلط کر دیئے اور ان لوگوں کی دولت و جاہ، قوت و ناموری اور شہرت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ ان سب کی مصنوعی معاشرتی خصوصیات کو مٹا کر صرف ایک پیمانہ قائم فرمایا کہ ایک جو لوگ اول اسلام لائے اور جنہوں نے جہاد میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ انھیں دوسروں کی نسبت زیادہ اعزاز دیا جائے گا۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کو دوسروں پر ترجیح دی اور ان خصوصیات میں جو برابر درجے کے تھے، ان کی تنخواہ برابر مقرر کی۔ یہاں تک اس معاملے میں غلام اور آقا کے فرق کو بھی روا نہیں رکھا حالانکہ عربوں میں غلام کے کوئی حقوق نہ تھے۔ یہی وجہ ہے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی تنخواہ جب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر کی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عذر کیا کہ واللہ! اسامہ رضی اللہ عنہ کسی بھی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہا ہے، پھر بھی اس کی تنخواہ مجھ سے زیادہ کیوں؟ تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اسامہ رضی اللہ عنہ کو تم سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(فتوح البلدان، ص ۴۵۶)

۹۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب اہل عرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے بلا امتیاز رنگ و نسل اور قبیلہ و زبان کے جمع کیا۔ جو اس عظیم مقصد سے سر مو انحراف کرتا تو اسے سخت سزا دیتے تھے۔ اہلِ عرب میں ایک شعار تھا کہ جنگوں اور لڑائیوں میں فخریہ اپنے قبیلے کے نام کو بلند کرتے تھے۔ ہر قبیلے کے اس فخریہ نعرہ کو مٹانے اور اسلام کو فروغ دینے کے لیے تمام فوجی سپہ سالاروں اور جرنیلوں کو آپ نے لکھا کہ جو لوگ اپنے قبیلے کا نعرہ لگائیں، ان کو سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ ایک موقع پر ایک شخص جو آل ضبہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے ایک لڑائی میں آل ضبہ کا نعرہ لگایا تو آپ نے سال بھر کے لیے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ (کنزالعمال، ۳: ۱۶۷)

۱۰۔ حاکمِ وقت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کو سستا اور فوری انصاف فراہم کرے تاکہ معاشرتی سطح پر کسی قسم کی بے چینی اور بدامنی جنم نہ لے اور معاشرے سے ہر طرح کے فسادات کا قلع قمع ہوتا رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نظامِ حکومت و خلافت کی سب سے بڑی امتیازی بات یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی رعایا کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و عقیدہ سب کو بے لاگ اور سستا عدل و انصاف ریاست کی طرف سے فراہم کیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے طرزِ حکمرانی کی یہی بات سب سے زیادہ مقبولیت کی حامل تھی جس کی وجہ سے اہل عرب آپؓ کے سخت احکامات کو بھی گوارا کر لیتے تھے۔ آپؓ کے عدل و انصاف کے سامنے دوست و دشمن کی بالکل تمیز نہ تھی۔ آپ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا بالکل پاس نہیں کرتے تھے۔ حتی کہ

اس اصول پر ان کے اپنے عزیز و اقارب حتی کہ اپنی اولاد کو بھی کوئی خصوصی برتاؤ اور سلوک حاصل نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو شحمہ نے شراب پی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو 80 کوڑے مارے اور وہ اسی صدمے میں فوت ہو گیا۔ قدامہ بن مظعون بڑے رتبے کے حامل تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے برادرِ نسبتی تھے۔ جب ان سے بھی شراب نوشی کا جرم سرزد ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قریبی رشتے دار کو بھی علانیہ 80 درے لگوائے۔

(الفاروق، ص۲۹۱)

۱۱۔ نظامِ حکومت و خلافت کو چلانے کے لیے حاکمِ وقت کو اپنے عہدیدارانِ سلطنت کا انتخاب اپنی جوہر شناسی کی صفت سے کرنا چاہیے تاکہ حکومتی مشینری کے تمام پرزے کارآمد ہوں۔ سب باصلاحیت اور اعلیٰ درجے کی قابلیت کے مالک ہوں اور ہر کوئی اپنے شعبے کا صاحبِ کمال ہو۔ اگر ان عہدیداران کی صلاحیت و قابلیت پست ہو گئی تو اس کی بے مثل قیادت بھی قوم کے لیے ثمر آور نہ ہو سکے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو باری تعالیٰ نے اپنے عہدیدارانِ سلطنت منتخب کرنے کے لیے ایک بہت بڑا جوہر شناس بھی بنایا تھا۔ انھیں اپنی اس صفت کی بناء پر اپنے ہم عصروں میں امتیاز و انفرادیت حاصل تھی۔ انھیں اپنے تمام متعلقین کی قابلیتوں سے واقفیت حاصل تھی، جس کی بنا پر انہوں نے انھیں عملی ذمہ داریاں تفویض کی تھیں۔

سیاست و انتظام کے فن میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے شام، کوفہ اور بصرہ کے لیے عمرو بن العاصؓ، امیر معاویہ، مغیرہ بن شعبہ کو عامل و گورنر کی ذمہ داری دی تھی۔۔۔ جنگی مہمات کے لیے عیاض بن غنمؓ، سعد بن وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور نعمان بن مقرنؓ کو منتخب کیا تھا۔۔۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن ارقم انشاء رضی اللہ عنہم تحریر میں صاحبِ کمال تھے، ان کو سیکرٹری اور میر منشی کی ذمہ داری دی۔۔۔ قاضی شریحؒ، کعب، سلیمان بن ربیعہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ کو عدالتی ذمہ داریاں تفویض کیں۔

آپ نے جسے جو ذمہ داری دی، اس نے اپنی اس ذمہ داری کو یوں نبھایا کہ ہر کسی نے یوں محسوس کیا کہ گویا کہ وہ اسی ذمہ داری کے لیے پیدا ہوا تھا۔ ایک مشہور عیسائی مورخ لکھتا ہے حضرت عمر فاروقؓ نے صوبوں کے گورنروں اور فوج کے سپہ سالاروں کا انتخاب بلا رو رعایت اور انتہائی مناسب اور موزوں قابلیت کی بنا پر کیا تھا۔ (طبری، ص۲۳۹۳)

خلاصۂ کلام

حاکمانِ وقت کے لیے سیاست ان کی حیات کی عادت کی طرح ہے۔ حکومت و سلطنت کے لیے سیاست لازم و ملزوم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی سیاست کو بھی شفافیت اور طہارت دی ہے اور اس سیاست کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطابقت اور موافقت دی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور شہنشاہ اور بڑے بڑے مصلح سیاست میں خدع، مکر، فریب، ظاہر داری اور نفاق کے سبب اپنی سیاست کو وہ رفعت، سطوت اور عظمت نہ دے سکے جس کا اسلوب و منہج ہمیں سیاست مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں سیاست فاروقی رضی اللہ عنہ میں نظر آتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیاست میں کوئی فریب و دھوکہ نہ تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے، اعلانیہ کرتے تھے اور سر عام کہتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کیا تو سب کو اعلانیہ بتا دیا:

"میں نے خالد بن ولیدؓ کو کسی ناراضگی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس وجہ سے کیا ہے کہ لوگ فتوحات میں ان پر بہت زیادہ بھروسہ کرنے لگے تھے۔ اس لیے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ کئی اسلامی فتوحات کو نقصان نہ دے۔" (طبری، ص۲۳۹۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ ساری حاکمانہ صفات، ان کی قائدانہ خصوصیات اور ان کے رہبرانہ امتیازات ہمارے مسلم حکمرانوں کے لیے مشعلِ نور ہیں۔ اگر دنیا کا ہر ہر حاکم اور اسلامی ریاستوں کے سارے حکام اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسوۂ فاروق رضی اللہ عنہ میں ڈھل جائیں تو آج بھی ہر سلطنت اور ہر حکومت لوگوں کے لیے اطمینان اور سکون کا باعث ہو سکتی ہے۔

❁❁❁❁❁

حضور نبی اکرم ﷺ خالقِ کائنات کی طرف سے دینِ متین لے کر اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔اس دینِ متین کے بنیادی خصائل میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام کی تائید و نصرت میں آپ ﷺ کے معاون بنے، تاریخ اسلامی میں ان جلیل القدر شخصیات کو صحابہ کرام (ؓ) کے لقب سے معنون کیا جاتا ہے۔یہ وہ عظیم المنزلت اور عظیم المرتبت شخصیات ہیں جن کو اللہ رب العزت نے ''ؓ'' کے خطاب سے نواز کر اپنی رضامندی کی سند سے نوازا۔ ان میں سے ایک شخصیت تیسرے خلیفہ راشد، جود و سخا کے پیکر، شرم و حیاء کی تصویر، زہد و تقویٰ کے امین سیدنا عثمان غنی ذوالنورین ؓ ہیں۔

اللہ رب العزت نے سیدنا عثمان غنیؓ کو معتدبہ اوصافِ حمیدہ اور اعلیٰ اخلاق سے نوازا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ سیرت و کردار کے اعتبار سے مثالی شخصیت تھے۔ایسا کیوں نہ ہوتا وہ درسگاہ پیغمبر اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فیض یافتہ تھے۔یوں تو سارے یارانِ نبی ﷺ زہد و تقویٰ کے حامل تھے لیکن اس حوالے سے آپؓ اپنی مثال آپ تھے۔

آپؓ کا نام عثمان اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپؓ کے والد محترم کا نام عفان تھا۔آپؓ کا پیشہ تجارت تھا۔امانت و دیانت سے کام لینے کی وجہ سے آپ ایک مال دار تاجر تھے۔آپؓ کا خاندان قریش میں شرافت، سیادت اور نسب کے اعتبار سے ممتاز تھا۔آپؓ کا شمار جنابِ ابو بکر صدیقؓ کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔جب حضور نبی اکرمؓ نے دعوت اسلامیہ کا آغاز کیا تو آپؓ کی عمر مبارک چونتیس سال تھی۔آپؓ کا شمار اُن افراد میں ہوتا ہے جو کہ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔آپ راویِ حدیث، کاتب وحی، عظیم مجتہد اور علم و فضل میں منفرد و یگانہ مقام رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔

بارگاہِ رسالت میں حضرت عثمانؓ کا مقام و مرتبہ

سیدنا عثمان غنیؓ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عظیم مرتبہ و منزلت رکھتے تھے۔اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپؓ کے عقد مبارک میں دیں۔آپؓ کے مقام و مرتبہ کا اس بات سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا کہ آپ ﷺ اس پر نماز پڑھیں مگر آپ ﷺ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔عرض کیا گیا:

''یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو کسی کی نمازِ جنازہ

☆ (پی۔ایچ۔ڈی اسکالر/ریسرچ اسکالر،FMRi)

چھوڑتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا تو اللہ نے بھی اس سے بغض رکھا ہے۔‘‘

(ترمذی، السنن، ۵/ ۶۳۰، الرقم: ۳۷۰۹)

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ بدر والے دن کھڑے ہوئے اور فرمایا:

’’بے شک عثمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کام میں مصروف ہے اور بے شک میں اس کی بیعت کرتا ہوں اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مال غنیمت میں سے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو کوئی اس دن غائب تھا اس کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا۔‘‘

(ابوداود، السنن، ۳/ ۷۴، الرقم: ۲۷۲۶)

پیکرِ شرم و حیاء

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت جامع القرآن ہونے کے ساتھ کامل الحیاء والایمان بھی ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی کی ایک ممتاز و منفرد صفت ’’حیاء‘‘ ہے۔ اس صفت کی تصدیق زبانِ نبوی سے کی گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں پانی تھا اور (ٹانگیں پانی میں ہونے کے باعث) آپ ﷺ کے دونوں گھٹنوں سے یا ایک گھٹنے سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے اسے ڈھانپ لیا۔

(بخاری، الصحیح، ۳/ ۱۳۵۱، الرقم: ۳۴۹۲)

ایک اور مقام پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں سے سب سے زیادہ حیادار عثمان بن عفان ہے۔ (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۱/ ۵۶)

ایک اور روایت میں حضرت بدر بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یوم الدار کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: کیا تم اس شخص سے حیاء نہیں کرتے جس سے ملائکہ بھی حیاء کرتے ہیں۔ ہم نے کہا: وہ کون ہے؟ راوی نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتوں میں سے ایک فرشتہ میرے پاس تھا جب عثمان میرے پاس سے گزرا تو اس نے کہا: یہ شخص شہید ہے، اس کی قوم اس کو قتل کرے گی اور ہم ملائکہ اس سے حیاء کرتے ہیں۔ بدر (راوی) کہتے ہیں کہ پھر ہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے ایک گروہ کو دور کیا۔

ذوالنورین کی وجہ تسمیہ

قبولِ اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ سے کی۔ اور پھر ان کے انتقال کے بعد انھوں نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی آپ رضی اللہ عنہ سے کی۔ یوں آپ کو وہ اعزاز حاصل ہوا جو پوری اولاد آدم میں کسی کو حاصل نہیں ہوا کہ کسی نبی کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے اس کے نکاح میں آئی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَ كَرِيمَتِي مِنْ عُثْمَانَ۔

(أحمد بن حنبل، المسند، ۱/ ۵۱۲، الرقم: ۸۳۷)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ میں اپنی صاحبزادی کی شادی عثمان سے کروں۔‘‘

ایک اور روایت میں حضرت اُمّ عیاش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَا زَوَّجْتُ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ إِلَّا بِوَحْيٍ مِنَ السَّمَاءِ۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۵/ ۹۲، الرقم: ۲۳۶)

’’میں نے عثمان کی شادی اپنی صاحبزادی اُم کلثوم سے نہیں کی مگر فقط وحی الٰہی کی بنا پر۔‘‘

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی دوسری صاحبزادی کی قبر پر کھڑے ہوئے جو حضرت عثمان کے نکاح میں تھیں اور فرمایا:

أَلاَ أَبَا أَيِّمٍ، أَلاَ أَخَا أَيِّمٍ، تَزَوَّجَهَا عُثْمَانُ؟ فَلَوْ كُنَّ عَشْرًا لَزَوَّجْتُهُنَّ عُثْمَانَ وَمَا زَوَّجْتُهُ إِلَّا بِوَحْيٍ مِنَ السَّمَاءِ، وَأَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَقِيَ عُثْمَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عُثْمَانُ، هٰذَا جِبْرَائِيْلُ يُخْبِرُنِي أَنَّ اللهَ قَدْ زَوَّجَكَ أُمَّ كُلْثُوْمٍ عَلٰى مِثْلِ صِدَاقِ رُقَيَّةَ، وَعَلٰى مِثْلِ صُحْبَتِهَا۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲/۴۳۶، الرقم: ۱۰۶۳)

”خبردار اے کنواری لڑکی کے باپ! اور خبردار اے کنواری لڑکی کے بھائی! اس (میری بیٹی) کے ساتھ عثمان نے شادی کی اور اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان کی بھی شادی یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ کر دیتا اور (ان کے ساتھ) عثمان کی شادی وحیِ الٰہی کے مطابق کی اور بے شک حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مسجد کے دروازے کے نزدیک ملے اور فرمایا: اے عثمان یہ جبریل امین ہیں۔ جو مجھے یہ بتانے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شادی ام کلثوم کے ساتھ اس کی بہن رقیہ (حضور نبی اکرم ﷺ کی پہلی صاحبزادی) کے مہر کے بدلہ میں کر دی ہے۔“

ان تمام امتیازات کے ساتھ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اُن عظیم المرتبت ہستیوں میں سے تھے جن کی شہادت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے پہلے ہی ارشاد فرمادی تھی۔ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فتنہ کا ذکر کیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: اس میں یہ مظلوماً شہید ہوگا۔“

امام حاکم کی روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! تمہیں شہید کیا جائے گا درآنحالیکہ تم سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے ہو گے اور تمہارا خون اس آیت:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

پر گرے گا اور قیامت کے روز تم ہر ستائے ہوئے پر حاکم بنا کر اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے اس مقام و مرتبہ پر مشرق و مغرب والے رشک کریں گے اور تم ربیعہ اور مضر کے لوگوں کے برابر لوگوں کی شفاعت کرو گے۔

(حاکم، المستدرک، ۳/۱۱۰، الرقم: ۴۵۵۵)

پیکرِ زہد و تقویٰ

حضرت عثمانِ غنی ذو النورین رضی اللہ عنہ جامع الصفات ہونے کے حوالے سے اپنی مثال آپ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اندر خیرِ کثیر اور زہد و تقویٰ کی وہ مثالیں موجود تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس زہد و تقویٰ کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ پر ہمہ وقت اللہ رب العزت کی خشیت طاری رہتی۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر وقت خوف باری تعالیٰ سے لرزاں رہتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کے پاس قبر کا ذکر کیا جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگ جاتے۔

علامہ ابن ابی الدنیا اپنی کتاب ”الورع“ میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ جب میرا خط آپ کو ملے تو لوگوں کو ان کے وظائف اور عطیات دے کر باقی مال زیاد کے ہمراہ لے کر آجانا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں انہیں ایک ایسا ہی خط لکھا اور پھر زیاد اپنے ہمراہ باقی مال لایا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بیٹا آیا اور کوئی چیز اپنے لیے اٹھا کر لے گیا۔ یہ دیکھ کر زیاد رونے لگے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اسی طرح مال لے کر آیا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ ان کا بیٹا جو کمسن تھا، آیا اور اس نے ایک درہم اٹھا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کو حکم دے کر اس سے وہ درہم لے لیا اور بچہ رونے لگ گیا۔ آج آپ کا

بیٹا یہ چیزیں اٹھا کر لے گیا لیکن کسی نے اُسے منع نہیں کیا۔ یہ سن کر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عمر اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو اس مال سے اللہ کی رضا کے لیے دور رکھتے تھے اور میں اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ہی مال دیتا ہوں۔

(ابن ابی الدنیا، الورع: ص ۱۲۶، رقم: ۲۳۰)

علامہ ابن ابی الدنیا ایک اور مقام پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زہد کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح (سخت مزاج، اور سخت احتیاط والے) کیوں نہیں بن جاتے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ میں یہ استطاعت نہیں کہ میں لقمان حکیم جیسا بن جاؤں۔

(ابن ابی الدنیا، الورع: ص ۱۲۶، رقم: ۲۳۱)

یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ کو لقمان حکیم کے تقویٰ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نرم مزاج، غرباء و مساکین کے خیر خواہ، فیاض و جواد اور لوگوں کی خیر خواہی کرنے والی شخصیت کے مالک تھے۔

پیکرِ سخاوت

زہد و تقویٰ کی ایک بنیادی شکل راہِ خدا میں خرچ کرنا اور مخلوقِ خدا کے ساتھ بہترین رویہ اختیار کرنا بھی ہے۔ حضرت عثمانِ غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ میں راہِ خدا میں سخاوت کرنا جیسی مثالیں غایت درجہ میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت بشیر اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو انہیں پانی کی قلت محسوس ہوئی اور قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک چشمہ تھا جسے رومہ کہا جاتا تھا اور وہ اس چشمہ کے پانی کا ایک قربہ ایک مد کے بدلے میں بیچتا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ چشمہ جنت کے چشمہ کے بدلے میں بیچ دو تو وہ آدمی کہنے لگا: یارسول اللہ! میرے اور میرے عیال کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چشمہ نہیں ہے، اس لئے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سو یہ خبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے وہ چشمہ پینتیس ہزار دینار کا خرید لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یارسول اللہ! اگر میں اس چشمہ کو خرید لوں تو کیا آپ مجھے بھی اس کے بدلہ میں جنت میں چشمہ عطا فرمائیں گے جس طرح اس آدمی کو آپ نے فرمایا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں (عطا کروں گا) تو اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ چشمہ میں نے خرید کر مسلمانوں کے نام کر دیا ہے۔"

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۴۱/۲، الرقم: ۱۲۶)

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب جیش عسرہ کی روانگی کا سامان ہو رہا تھا۔ آپ نے اس رقم کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ ان دیناروں کو اپنی گود میں دست مبارک سے الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے عثمان آج کے بعد جو کچھ بھی کرے گا، اسے کوئی بھی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ دوبار فرمایا۔"

(ترمذی، السنن، ۶۲۶/۵، الرقم: ۳۷۰۱)

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ حقیقت میں جامع الصفات ہیں اور آپ کی شخصیت امتِ مسلمہ کو راہنمائی فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ آپ کی زندگی کا جس جہت سے بھی مطالعہ کیا جائے، وہی جہت امت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ کی زندگی ہمیں عزم واستقلال اور صبر و تحمل کا درس دیتی نظر آتی ہے۔ خالقِ کائنات ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ سے استفادہ واستفاضہ کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❁❁❁❁❁

تعلیماتِ صوفیاء

صوفیائے کرام محبت و رواداری، امن اور بقائے باہمی کے پیامبر تھے

جمیع صوفیاء مذاہب و مسالک کے مابین جنگوں کو ختم کرتے رہے

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً۔

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔“ (البقرہ، ۲: ۲۰۸)

صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کی زندگیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخصیات اپنے اپنے زمانوں اور ادوار میں جمیع مذاہب و مسالک اور مکاتب فکر کے مابین جاری جنگوں کو ختم کرتے رہے اور اس دھرتی میں باہمی محبت، برداشت، رواداری اور بقائے باہمی کا پیغام دیتے ہوئے وسعت و فراخدلی کے چراغ جلاتے رہے۔ انہی ہستیوں کی تعلیمات کے نتیجے میں ان ادوار میں ایسی تہذیب نے جنم لیا کہ جس تہذیب میں تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لیے امن، محبت، وسعت، رواداری، آشتی، سلامتی اور بقائے باہمی کا پیغام تھا۔ ان ہستیوں نے دلوں کو جوڑنے کا پیغام دیا۔ ان ہستیوں نے اپنے اپنے ادوار میں اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ اور اپنے اوصاف و کمالات کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔ جہاں نفرتیں تھیں وہاں محبتیں سکونت پذیر ہونے لگیں۔۔۔ جہاں دوریاں تھیں وہاں قربتیں بڑھنے لگیں۔۔۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے شدت پسندانہ رویوں سے پیش آتے تھے، وہاں وہ ایک دوسرے کے لیے شیر و شکر بن گئے۔۔۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے مخاصمت اور منافرت کے لہجے میں بات کرتے تھے، وہاں وہ ”رحماء بینھم“ کے سانچے میں ڈھل گئے۔

جملہ اولیاء، صلحاء اور صوفیاء کرام نے اپنی وسعت و کشائش کے چراغ جلائے اور نفرت و تنگ نظری کے چراغ بجھائے۔ انھوں نے سلامتی اور بھائی چارے کا پیغام ہر طرف ایسا پھیلایا کہ ایک طرف شدت پسندانہ رویے چلتے رہے، تکفیریت پر مبنی بولی چلتی رہی، اسلام سے خارج کرنے کا طریق رائج رہا مگر یہ اولیاء و صالحین اور ائمہ امت صبر و تحمل اور برداشت کا پہاڑ بن کر اور اپنے پائے استقامت کو متزلزل کیے بغیر سوئے گنبد خضریٰ رواں رہے۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؓ کا دور آیا تو انہیں بھی اسی شدت پسندی اور تکفیری رویے کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ جیل میں گئے اور جنازہ بھی وہاں سے اٹھا۔۔۔ سیدنا امام مالک کو بھی اسی رویے کا سامنا کرنا پڑا اور وہ پچیس سال تک اپنے گھر میں پابند ہو کر رہ گئے حتی کہ انھیں ان پچیس سالوں میں مسجد نبوی میں جمعۃ المبارک کی باجماعت نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہ ملی۔۔۔ امام محمد بن ادریس الشافعی کو عراق، یمن اور مصر میں مصائب و آلام درپیش ہوئے مگر ان کے پائے استقامت کو کوئی متزلزل نہ کر سکا۔۔۔ امام احمد بن حنبل بھی انہی رویوں کا شکار ہوئے۔ کوڑے بھی لگائے گئے، پابند سلاسل بھی کیے گئے مگر استقامت کے اس پہاڑ کو کوئی ہلا نہ سکا۔

سیدنا بایزید بسطامی پر بھی کفر کے فتوے لگے۔ انھیں بسطام سے نکالا گیا، انھوں نے سات مرتبہ واپس آنے کی کوشش کی مگر بسطام کی سرزمین ان پر بند کر دی گئی مگر وہ بھی پیکر استقامت رہے۔۔۔ سیدنا ذوالنون مصری کو بھی قید کیا گیا، زندیق کہا گیا۔۔۔

حضرت سمنون محب عربی پر کفر کے فتوے لگے۔۔۔ حضرت سہل بن عبداللہ التستری جن کی معرفت کے بغیر کسی تصوف کی کتاب کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور جن کے اقوال کے بغیر ولایت کا سفر طے نہیں ہوسکتا، ان پر بھی تستر کی سرزمین بند کردی گئی اور کفر کے فتوے لگے، انھیں بصرہ لایا گیا اور وہیں شہادت ہوئی۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی، حضرت فضیل بلخی، حضرت شیخ ابوبکر شبلی، حضرت غوث ابومدین المغربی، حضرت تاج الدین سبکی اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی پر بھی کفر کے فتوے لگے۔۔۔ شیخ ابوالحسن شاذلی پر بھی کفر کے فتوے لگے، انہیں بے گھر کردیا گیا اور جب بھی وہ اپنے وطن واپس آنے کی کوشش کرتے تو پتھراؤ کیا جاتا، مصر جاتے تو پتھراؤ کیا جاتا۔ الغرض جہاں پناہ لینا چاہتے، وہاں ان پر پتھراؤ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ انھوں نے پوری زندگی سمندر میں ایک کشتی میں گزار دی اور حزب البحر بھی اسی کشتی میں انھوں نے تحریر فرمائی، جو آج اولیاء و صالحین اور سلوک و تصوف کی راہ پر چلنے والوں کا وظیفہ ہے۔

آج کے دور میں بھی اہل اللہ پر فتوے لگنے کا معمول ہے مگر ان حالات میں اہل اللہ کا معمول اور مشرب ایک ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ گنبد خضریٰ پر ہوتی ہے اور دل خدا سے پیوست ہوتا ہے۔ ان فتاویٰ اور لعن وطعن پر توجہ دینا تو دور کی بات، یہ چیزیں ان کے دل پر معمولی سی بھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ یہی وہ صوفیاء و اولیاء اور کاملین تھے کہ جن کی خانقاہوں سے انسانیت کو فیض ملا، لوگوں کو فسق و فجور کی ظلمتوں سے نجات ملی اور انسانیت کو آقا ﷺ کے اسوہ اور قدوہ مبارکہ سے پیوست کیا گیا۔ آج انہی کے دروازوں پر لوگ فیض کی خیرات لینے کے لیے جاتے ہیں۔

ان اولیاء پر ہونے والے مصائب و آلام اور ان پر لگنے والے فتاویٰ کا جائزہ لیں تو واضح نظر آتا ہے کہ ان سب کے باوجود ان کی زبانیں صرف وہی کہہ سکتی تھیں جو آقا ﷺ کی بارگاہ سے انہیں اجازت تھی۔۔۔ ان کا وجود وہی کرسکتا تھا جو اللہ کی بارگاہ سے انہیں اجازت تھی۔۔۔ اور ان کے قلم سے وہی لکھا جاسکتا تھا جو حقیقی سلوک و تصوف کی راہ تھی۔ آج اگر ہم سفرِ روحانیت پر گامزن ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اولیاء و صوفیاء کی تعلیمات پر غور کرنا ہوگا کہ انھوں نے کن امور کو تصوف و روحانیت کے لیے ناگزیر قرار دیا۔

روحانیت کے تین وسائط

روحانیت کے سفر کے تین ذرائع اور واسطے ہوتے ہیں:

۱۔ شریعت ۲۔ طریقت ۳۔ حقیقت

- ✯ شریعت زندگی میں اعتدال کا نام ہے۔
- ✯ طریقت اپنے نفس سے انفصال کا نام ہے۔
- ✯ حقیقت اپنے محبوب سے اتصال کا نام ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیں گے کہ شریعت راہ حق پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔۔۔ طریقت خود سے جدا ہونے کا نام ہے۔۔۔ اور حقیقت واصلِ خدا ہو جانے کا نام ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ سلوک و تصوف کی راہ کے مسافر ہوجاتے ہیں، اہلِ تصوف و معرفت سے جڑ جاتے ہیں اور اصحاب کہف کے کتے کی طرح ان کی چوکھٹ پر استقامت کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں تو انہیں یہاں سے ملتا کیا ہے؟

یاد رکھیں! جو ان اولیاء و صوفیاء کے در پر آجائیں تو انہیں اخلاق کی عمدگی ملتی ہے۔۔۔ انہیں حوصلوں کی بلندی ملتی ہے۔۔۔ انہیں ارادوں کی پختگی ملتی ہے۔۔۔ انہیں معاملات کی درستگی اور مایوسیوں سے نجات ملتی ہے۔۔۔ ان کے اعمال کو طہارت، احوال کو عظمت اور مقامات کو سکونت ملتی ہے۔۔۔ جو تصوف کا لباس پہن لے اس کی زندگی کا حال و مقال یعنی بولنے کا رنگ اور ڈھنگ بدل جاتا ہے۔۔۔ اس کا سلیقہ اور برتاؤ بدل جاتا ہے۔ حتی کہ اگر انہیں دیکھیں تو ان پر اولیاء و صالحین کا رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔

صوفیاء و اولیاء کے محاسن و اخلاق

سیدنا ابوالقاسم القشیریؒ جو سیدنا داتا علی ہجویری کے مشائخ و اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، انھوں نے صوفیاء کے کچھ کمالات و محاسن کا ذکر کیا ہے کہ تصوف مکمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک سلوک کی راہ کا مسافر اپنی طبیعت، مزاج اور اپنی تربیت میں درج ذیل آٹھ خصلتیں پیدا نہ کرلے:

(۱) السخا

تصوف کی پہلی خصلت کا نام ''السخا'' ہے۔ کوئی بندہ راہِ سلوک کا مسافر ہو ہی نہیں سکتا جب تک اپنی طبیعت میں سخاوت

اور فیاضی پیدا نہ کرے۔ یہ سخا حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت اور عادت تھی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۳)

’’ اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں۔‘‘

سخی اور لجپال وہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ اللہ انہیں دیتا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ بات بڑی توجہ طلب ہے کہ ینفقون سے مراد صرف یہ نہیں کہ اللہ نے مال دیا تو خرچ کر دیا۔ نہیں بلکہ دل کی بھی فیاضی ہوتی ہے۔۔۔ مزاج اور اخلاق کی بھی سخاوت ہوتی ہے۔۔۔ علم کی بھی فیاضی اور سخاوت ہوتی ہے کہ جسے علم دیا، وہ علم خرچ کرے۔۔۔ جسے اخلاق دیا، وہ اخلاق خرچ کرے۔۔۔ جسے میانہ روی دی، وہ میانہ روی خرچ کرے۔۔۔ جسے افضل و اعلیٰ رتبہ دیا، وہ اپنی افضیلت اور اعلیٰ مرتبت کو خرچ کرے۔۔۔ جس کو تفقہ و فہم دیا، وہ اپنا فہم خرچ کرے۔۔۔ جس کو ولی بنایا، وہ ولایت کے رنگ تقسیم کرے۔۔۔ جسے عارف بنایا، وہ عرفان تقسیم کرے۔۔۔ جسے غوث الوقت بنایا، وہ غوثیت کے رنگ تقسیم کرے۔۔۔ جسے معلم بنایا، وہ تعلیم کے رنگ بانٹے۔۔۔ جسے محقق بنایا، وہ تحقیق کا فیض عام کرے۔۔۔ اور جسے مجدد بنایا، وہ تجدید میں سب کو شریک کرے۔

(۲) الرضا

تصوف کی دوسری خصلت ’’الرضا‘‘ ہے کہ بندہ اللہ سے راضی ہو جائے اور اللہ اس سے راضی ہو جائے۔ رضا حضرت ایوبؑ کی خصلت اور عادت تھی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (الفجر، ۸۹: ۲۷، ۲۸)

’’ اے اطمینان پا جانے والے نفس۔ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)۔‘‘

یہ لوگ پیکر رضا ہوتے ہیں۔ رضا کا مطلب یہ نہیں کہ آج مل گیا تو راضی ہو گئے اور کل کو اس نے واپس لے لیا تو ناراض ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عطا کروں تو تب بھی تیرا دل راضی ہو اور جب لے لوں تو تب بھی تو مجھ سے راضی ہو۔ اس لیے کہ تیری رضا کا تعلق میرے ساتھ ہے، اسبابِ دنیا سے نہیں۔

(۳) الصبر

تصوف کی تیسری خصلت ’’الصبر‘‘ ہے۔ یہ حضرت ایوبؑ کی عادت تھی۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۵۳)

’’ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔‘‘

ان صابرین کے ساتھ خدا ہوتا ہے جو ہر حال میں صبر کا پہاڑ بنے احکاماتِ الٰہیہ کی تعمیل اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں۔

(۴) الاشارہ

تصوف کی چوتھی خصلت ’’الاشارہ‘‘ ہے۔ اللہ کے رموز اور اسرار کے کچھ اشارے ہوتے ہیں جو سمجھنے والوں کو سمجھائے جاتے ہیں۔ یہ سیدنا زکریاؑ کی عادت تھی۔ جب سلوک کی راہ پر چلنے والے لباسِ رضا پہن لیں تو صبر ملتا ہے اور پھر رموز و اسرار کی وادی کے اشارات ملتے ہیں۔

(۵) خلوۃ

تصوف کی پانچویں خصلت ’’خلوت نشینی‘‘ ہے۔ صوفیاء اسرار و رموز اور اشارات سے آگہی کے بعد پھر خلوت نشینی کی زندگی گزارتے ہیں۔

(۶) خرقہ

جب خلوت نشینی میں اللہ سے راز و نیاز کریں اور اسے منانے والے بن جائیں تو اللہ رب العزت ان کو اونی لباس پہنا دیتا ہے۔ یہ موسیٰؑ کی عادت تھی۔ اس سے مراد لباسِ تقویٰ و طہارت ہے کہ پھر یہ لوگ تقویٰ و طہارت کے کمال پر نظر آتے ہیں۔ جس طرح اونی لباس پہن کر ان کا ظاہر دنیا سے بے نیاز نظر آتا ہے، اسی طرح ان کا باطن بھی تقویٰ و ورع کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ (الاعراف، ۷: ۲۶)

”اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اتارا ہے اور وہی) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔“

(۷) والسیاح

تصوف کی ساتویں خصلت سیاحت کی ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عادت تھی۔ فرمایا:

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔

”سو تم زمین میں چلا پھرا کرو اور دیکھا کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔“ (آل عمران،۳: ۱۳۷)

(۸) فقر

تصوف کی آخری اور آٹھویں خصلت فقر ہے اور یہ عادت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ یعنی جو فقر کا لباس پہن لے وہ حضور علیہ السلام کا ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ (فاطر،۳۵: ۱۵)

”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، سزاوارِ حمد و ثنا ہے۔“

آقا علیہ السلام نے فرمایا:

فان الفقر اسرع الی من یحبنی۔ (الترمذی، السنن، باب ماجاء فی فضل الفقر،۴: ۵۷۶،الرقم:۲۳۵۰)

مجھے فقر سے محبت ہے اور جو مجھ سے محبت کرے، سمجھ لو جلد از جلد فقر اسی کا لباس ہو گا۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ص:۱۶۸)

ولی اللہ کی علامات

حضرت عبداللہ السلمی سے پوچھا گیا کہ بتایئے کہ ہم اولیاء کو کیسے پہچانیں گے؟ اللہ کے ولی کی علامات کیا ہیں؟ آپ فرماتے ہیں:

۱۔ بلطافۃ اللسان: وہ زبان کے بڑے لطیف ہوتے ہیں۔

۲۔ وحسن الخلق: اخلاق کے بڑے حسین ہوتے ہیں۔

۳۔ وبشاشۃ الوجہ: ان کے چہرے بڑے ہشاش بشاش نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھیں تو لگتا ہے کہ ایسا حسین و جمیل چہرہ کسی کا نہیں۔

۴۔ وسخاوت النفس: وہ اپنے نفس کے بڑے سخی اور لجپال ہوتے ہیں۔

۵۔ قلت الاعتراض: بہت کم کسی پر اعتراض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۶۔ وقبول الاعتزار: کوئی ان کی بارگاہ میں عذر پیش کر دے تو بغیر تامل کے وہ عذر قبول کرتے ہیں۔

۷۔ وکمال شفقۃ عامۃ الخلق: اللہ کی مخلوق پر کمال شفقت کا پیکر بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (تفسیر روح البیان، پارہ نمبر ۱۱، ۱۲، ص:۳۲۷)

اگر ہم مذکورہ علامات کی روشنی میں حضور سیدنا داتا علی ہجویری سے ما قبل اولیاء سے لے کر حضور قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین تک اولیاء و صوفیاء کے احوال کا مشاہدہ کریں تو سخاوت اور فیاضی کے ایسے چشمے کھلے ہیں کہ سیکڑوں سال گزر جانے کے باوجود یہ چشمے جاری و ساری ہیں۔ ان روحانی چشموں کے جاری رہنے کا راز کیا ہے؟ آیئے! اس کا جواب قرآن مجید میں مذکور ایک قصہ سے اخذ کرتے ہیں کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان کے پاس آئی اور عرض کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! ہم پیاسے ہیں، اللہ کی بارگاہ سے پانی طلب کیجئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو، پھر اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، واقعتاً ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا، (ہم نے فرمایا:) اللہ کے (عطا کردہ) رزق میں سے کھاؤ اور پیو لیکن زمین میں فساد انگیزی نہ کرتے پھرو۔“ (البقرہ،۲: ۶۰)

وہ بارہ قبیلے تھے چنانچہ ہر قبیلے کو پینے کے لیے اپنا مشرب مل گیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ دیکھنے میں مارنے والا یعنی موسیٰؑ بھی ایک تھے، پتھر بھی ایک تھا اور عصا بھی ایک تھا مگر ایک وحدت سے کثرت کا عالم دیکھیں کہ ایک ضرب سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ وحدت سے کثرت کو فیض مل رہا ہے اور وحدت سے وسعت جنم لے رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے ہوتے ہی وہ ہیں کہ جب ضرب لگا دیں تو پوری امت کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔

پھر اللہ رب العزت نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللهِ (البقرہ، ۲:۶۰) یعنی جب تک میرے نبی سے جڑے رہو گے، ان سے متمسک رہو گے، فساد پیدا نہیں کروگے، ظلم نہیں کروگے، فسق وفجور میں نہیں پڑوگے، تعلیماتِ نبوی ﷺ پر عمل پیرا رہوگے، اس در پر جھکے رہو گے تو تمھیں میرا فیض، رزق، کرم، فضل اور میرے نبی کی خیرات ملے گی۔ اولیاء کرام اور ائمہ کا فیض اس لیے مسلسل جاری ہے کہ وہ نبی ﷺ کی ذات سے متمسک ہوگئے اور عدمِ اطاعت کی طرف مائل نہیں ہوئے تھے۔ امام اعظمؒ کی بارگاہ میں جائیں تو ان کا فیضِ علم رک نہیں رہا۔۔۔ امام شافعی کی بارگاہ میں جائیں تو امام شافعیؒ کی فقہیت کا فیض رک نہیں رہا۔۔۔ امام احمد بن حنبلؒ کی بارگاہ میں جائیں تو ان کا ایسا فیض جاری ہوا کہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔۔۔ امام مالکؒ کی بارگاہ میں جائیں تو ایسا فیض ہے کہ جو رکنے کا نام نہیں لے رہا۔۔۔ حضور داتا علی ہجویریؒ سے فیض کا ایسا چشمہ جاری ہوا ہے کہ جو تھم نہیں رہا۔۔۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے فیض کا ایسا چشمہ جاری ہوا ہے جو رکنے کا نام نہیں لے رہا۔۔۔ حضور غوث الوریٰؒ کا ایسا چشمہ جاری ہوا ہے کہ اس غوثیت کے چشمے سے کوئی پیاسا رہ نہیں سکتا۔

اولیاء کرام پیکرِ وسعت وسخاوت تھے

اولیاء کرام پیکرِ توسع اور پیکرِ فیاضی و سخاوت تھے۔ امام شافعی کو دیکھیں تو امام شیبانی کے شاگرد بنتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔۔۔ امام احمد بن حنبل کو دیکھیں تو وہ امام شافعی کے شاگرد ہیں۔۔۔ امام اعظم کو دیکھیں تو وہ سیدنا محمد الباقر کے فیض یافتہ نظر آرہے ہیں اور فرماتے ہیں: لو السنتان لهلك النعمان۔ (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، ج:۱، ص:۲۶۴)

اگر یہ دو سال نہ ملتے تو نعمان بن ثابت ہلاک ہو جاتا۔

ائمہ کے ہاں فراخی اور توسع کے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت قاضی ابوالعاصم عامریؒ حنفی عالم تھے اور علامہ کفالؒ شافعی عالم تھے۔ حنفی عالم، شافعی عالم سے ملنے کے لیے ان کی مسجد میں گئے جیسے ہی وہاں پہنچے تو نماز مغرب کی اذان ہوگئی۔ شافعی عالم علامہ کفال نے اپنے موذن سے کہا کہ تم شافعی طریق پر اذان دیتے ہو، آج حنفی عالم آرہے ہیں، اس لیے حنفی طریق پر اذان دے دو۔ اس نے اسی طرح کیا اور جب جماعت کا وقت ہوا تو شافعی عالم نے حنفی عالم کے لیے مصلیٰ چھوڑ دیا اور جب وہ مصلیٰ پر تشریف لے گئے تو انھوں نے حنفی طریق کی بجائے شافعی طریق پر نماز پڑھائی۔

۲۔ سیدنا امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ وہ بھی اپنی فقہ کے امام اور یہ بھی اپنی فقہ کے امام تھے مگر ادب اور وسعت کا عالم یہ تھا کہ حضرت یحیٰ بن معین نے حضرت امام احمد بن حنبل کے بیٹے سے ایک دفعہ کہا: اے بیٹے! اپنے باباجان سے کہنا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نوجوان شافعی کے گھوڑوں کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بیٹے نے اپنے والد سے یہ بات عرض کردی۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے بیٹے اگر پھر تمہیں یحیٰ بن معین ملیں تو انہیں کہو:

ان اردت ان تتفقه فتعال فخذ بركابه الآخر۔

(الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء، ج:۱، ص:۷۵)

اگر تم فقیہ وقت بننا چاہتے ہو تو امام شافعی کے گھوڑے کی دوسری رکاب ابھی خالی ہے، آکر پکڑ لو، امام وقت بن جاؤ گے۔

۳۔ امام شافعیؒ، سیدنا امام اعظمؒ کی قبر انور میں حاضر ہوئے تو فجر کی نماز کے وقت قنوتِ نازلہ جو آپ کے مذہب میں سنت موکدہ کا درجہ رکھتی ہے، اسے ترک کردیا اور آمین بالجہر بھی ترک کردی۔ جب نماز ختم ہوئی تو شاگرد کہنے لگے کہ حضرت آپ بھول گئے؟ فرمایا: اخالفه وانا فی حضرته۔

میں امام اعظمؒ کو سلام کرنے آیا ہوں، جن کو سلام کرنے آیا ہوں، اس کی فقہ کی مخالفت کرتا پھروں، میرا ادب، تعظیم اور توسع اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔

ہمیں بھی اپنی زندگیوں میں ان اولیاء کی طرح کا توسع اور وسعت اپنے مزاج، رویے اور اخلاق و کردار میں پیدا کرنا ہوگی۔ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اسی توسع و سخاوت کو اپنے رفقاء و کارکنان میں پیدا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ہمارا مشرب امن، سکون، علم، عزت، سلامتی اور عاشقی ہے۔ ہمارا مشرب دلوں کو جدا کرنا نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کا ہے۔ اسی چراغ کو جلاتے چلے جائیں، یہی اسلام کی حقیقی تعلیمات اور منہاج القرآن کا پیغام ہے۔ ❀❀❀❀❀

پاکستانی معیشت کو درپیش مسائل

پاکستان میں غربت کی شرح 39، بنگلہ دیش میں 12.9 فیصد ہے

کم شرح خواندگی، صاف پانی کی عدم فراہمی، ماحولیاتی آلودگی بڑے مسائل ہیں

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری (صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل)

حصہ اول

آج پاکستان کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت انٹرنیشنل سرویز، ورلڈ بنک اور دیگر عالمی اداروں کی رپورٹس ہیں جو وہ اس حوالے سے شائع کرتے رہتے ہیں۔ آج ورلڈ بنک کے مطابق پاکستان میں غربت کا تناسب 39.3 فیصد ہے یعنی کم و بیش چالیس فیصد لوگ غربت کا شکار ہیں۔ 2022ء میں آنے والے سیلاب نے پاکستانی معیشت کو مزید مشکلات کا شکار کر دیا۔ جس سے 33 بلین لوگ متاثر ہوئے اور 2 ملین گھر تباہ ہوئے۔ 1700 سے زائد اموات ہوئیں۔ 1.1 ملین لائیو سٹاک پاکستان سے ختم ہوگیا۔ جانوروں کے 25000 شیلٹرز تباہ ہوگئے۔ 13000 کلومیٹر سڑکیں تباہ ہوگئیں۔ 440 پُل ختم ہوگئے۔ 9.4 ملین ایکڑز زرعی زمین جو ملکی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، تباہ ہوگئی۔ اس سبب سے کاٹن نہ ملنے کی وجہ سے انڈسٹری بھی تباہ ہوگئی۔ نتیجتاً اس سیلاب کی وجہ سے پاکستان میں شرح غربت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

شرح غربت کی پیمائش کے انٹرنیشنل پیمانے

کسی خطہ میں غربت کی شرح کو ماپنے کے دو لیولز ہیں:

1. lower income poverty ratio
2. middle income poverty ratio

شرح غربت کی پیمائش کے پہلے معیار یعنی lower income poverty ratio کے تناظر میں پاکستان میں کم و بیش چالیس فیصد افراد غربت کا شکار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یومیہ تین US ڈالر/ماہانہ 90 ڈالر اور پاکستانی کرنسی کے حساب سے 25 سے 30 ہزار کے درمیان کماتے ہیں۔ اسی طرح اگر middle income poverty ratio کا جائزہ لیں تو اس میں وہ افراد شامل ہیں جو یومیہ 5.5 US ڈالر یعنی کم و بیش چالیس ہزار روپے ماہانہ کماتے ہیں۔ گویا lower اور middle طبقات جو پاکستان کی آبادی کا 78 فیصد طبقہ ہیں، یہ 40 ہزار یا اس سے بھی کم کماتے ہیں اور پاکستان میں صرف 22 فیصد طبقہ وہ ہے جو چالیس ہزار سے زائد کماتا ہے۔ پاکستان کی اپنی سرکاری سروے رپورٹ جو 2021ء میں جاری ہوئی، اس کے مطابق 13 ڈالر یومیہ کمانے والے افراد تقریباً 22 فیصد ہیں۔

اگر ہم اپنے خطے کے دیگر ممالک کے ساتھ اپنا موازنہ کریں تو یہ منظر نامہ دکھائی دیتا ہے کہ انٹرنیشنل رپورٹس کے مطابق 2006ء سے 2021ء کے درمیان انڈیا میں 415 ملین افراد خطِ غربت سے اوپر آئے ہیں۔ بنگلہ دیش میں 2016ء اور 2017ء کے دوران صرف 24 فیصد افراد خط غربت کے نیچے تھے اور اب خطِ غربت (extreme poverty lines)

کے نیچے صرف 12.9 فیصد افراد رہ گئے تھے، اس کے علاوہ باقی سب افراد کو اس بحران سے نکال لیا گیا ہے۔

پاکستان کی مجموعی معاشی صورتحال

غریب سے غریب ملک بھی اپنی بہتری کی طرف گامزن ہے جبکہ بدقسمتی سے پاکستان ہر اگلے سال زیادہ تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہوتا جارہا ہے۔ ذیل میں مختلف شعبوں کے حوالے سے پاکستان کی معاشی صورتحال کا ایک جائزہ درج کیا جارہا ہے:

۱۔ بے روزگاری: گزشتہ سال سے بے روزگاری کی شرح مسلسل بڑھتی چلی آرہی ہے اور ہم اس شرح کو کنٹرول کرکے کم نہیں کرسکے۔

۲۔ اندرونی و بیرونی قرض: پاکستان کے اندرونی و بیرونی قرضوں کی بات کریں تو مارچ 2022ء تک پاکستان کم و بیش 54 ٹریلین روپے/ 248.7 بلین US ڈالرز کا مقروض ہے۔ یہ قرض پاکستان کے ٹوٹل GDP کا 80% فیصد ہے۔ ماہرین معیشت اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر ان ریاستوں کو معاشی طور پر ناکام ریاست قرار دیا جاتا ہے جن کے قرض کی شرح ان کی GDP کے 60% تک پہنچ جائے۔

۳۔ مہنگائی: 2023ء میں پاکستان میں general inflation بھی 23 فیصد بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ یعنی جتنی مہنگائی کا قوم آج سامنا کررہی ہے اس میں مزید 23 فیصد اضافے کا امکان ہے۔

۴۔ کرپشن: انٹرنیشنل رپورٹ میں 180 ممالک کی فہرست کے اندر پاکستان کو کرپشن میں 140 واں نمبر دیا گیا ہے۔ یعنی کرپشن کے حوالے سے بھی صرف چالیس ممالک ہم سے زیادہ کرپٹ ہیں اور 139 ممالک کرپشن میں کمی کے حوالے سے ہم سے بہتر ہیں۔

۵۔ برآمدات و درآمدات: پاکستان کی برآمدات (exports) 2021ء میں 34.57 بلین تھیں۔ برآمدات کے مقابلے میں ہماری درآمدات (imports) بڑھتی چلی جارہی ہیں۔ 2021ء میں 69 بلین کے قریب سامان Import کیا گیا۔ یعنی سالانہ درآمدات بڑھتی جارہی ہیں اور برآمدات کم ہوتی جارہی ہیں۔ اس کا مطلب ہوا تجارتی خسارہ بڑھتا جارہا ہے جس کو حل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اس کے برعکس بنگلہ دیش کا جائزہ لیں تو گزشتہ چند سالوں سے ہر سال وہ اپنی برآمدات (exports) کو بڑھاتے چلے گئے ہیں۔ یعنی اگر پاکستان کی برآمدات 2021ء میں 34 بلین تھی تو بنگلہ دیش کی 44 بلین تھی۔ اسی طرح انڈین برآمدات کی بات کریں تو 2021ء میں 660 بلین ڈالرز تھی اور پچھلے تین سالوں سے اس میں اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔

۶۔ بیرونی سرمایہ کاری: پاکستان کی بیرونی سرمایہ کاری کا (foreign investment) پچھلے تین سال سے زوال کا شکار ہے۔ 2020ء میں تقریباً 2 بلین ڈالر کی بیرونی سرمایہ کاری تھی۔ اس کے برعکس انڈیا کی بیرونی سرمایہ کاری 2020ء میں 64 بلین ڈالر کی تھی۔ ہم اس مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام ہیں۔ اس کی سب سے بنیادی وجہ بیرونی سرمایہ کار کو پاکستان میں سرکاری سطح پر سہولیات کا فراہم نہ کیا جانا، کام کرنے کے لیے حد سے زیادہ قانونی پیچیدگیاں اور حکمرانوں کا غیر سنجیدہ طرز عمل ہے۔ ایک انٹرنیشنل سروے رپورٹ جس میں 190 ممالک کا جائزہ لیا گیا کہ وہ ممالک جن میں بیرونی سرمایہ کاری بڑھ رہی ہے یا کم ہورہی ہے تو اس تناظر میں پاکستان کا 108 واں نمبر ہے۔ جب بیرونی سرمایہ کار اور بزنس مین کو پاکستان میں ایسی صورتحال درپیش ہوگی تو وہ کیونکر ہمارے ہاں سرمایہ کاری کرے گا۔

اس کے برعکس انڈیا میں بیرونی سرمایہ کاری بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ 190 ممالک کے اندر انڈیا کو 63 واں نمبر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کاروبار کرنے کے لیے سرکاری سطح پر سہولیات دی ہیں، قانونی پیچیدگیوں کو سرمایہ کار کے لیے کم سے کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایسی پالیسیز متعارف کرواتے ہیں کہ وہ بیرونی سرمایہ کار کے لیے باعث کشش ہوتی ہیں اور ان کو

آسانی فراہم کرتی ہیں تاکہ وہ سرمایہ بآسانی ایک محفوظ ماحول میں لاکر اس ملک میں خرچ کر سکیں۔

۷۔ تعلیم کی صورتحال: اسی طرح ہمارا شعبہ تعلیم بھی آج زوال کا شکار ہے۔ آج بھی پاکستان کے اندر شرح خواندگی 62 فیصد ہے۔

۸۔ صاف پانی کی صورتحال: صاف پانی کے حوالے سے پچھلے چار سالوں سے پاکستان خطرناک بحران کا سامنا کرتا چلا آرہا ہے لیکن ان چار سالوں میں کسی بھی حکومت نے صاف پانی فراہمی میں کوئی اقدام نہیں کیا۔ جس کی بنا پر زیرو فیصد بھی اضافہ دیکھنے کو نہیں ملا۔ جبکہ تازہ پانی کے ذخائر بھی ہمارے ہاں لگاتار کم ہو رہے ہیں۔

۹۔ ماحولیاتی آلودگی: ہمارے ہاں صنعتوں اور فیکٹریوں کے فاضل مادوں (industrial waste) کو recycle کرنے کا کوئی نظام نہیں ہے۔ آج بھی اس کو کسی زیریں علاقے کی زمین کو بلند کرنے کے لیے اس کے اندر دبا (Dump) دیا جاتا ہے جو کہ آلودگی کے اندر اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ہر سال لاہور دنیا کے آلودہ شہروں میں اسی وجہ سے شمار ہوتا ہے۔ جب اس waste کو زمین کے اندر Dump کر دیا جاتا ہے تو بعد ازاں اس سے گیسز پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اتنی آلودگی پیدا ہوتی ہے کہ جتنا کئی بلین ڈیزل کے چلنے سے آلودگی پیدا ہوتی ہے۔

گلوبل وارمنگ کو دیکھا جائے تو یہاں جنگلات اور درختوں کی کمی ہے۔ ہم زرعی زمین کو تباہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ پوری دنیا میں پالیسیز ہوتی ہیں کہ یہ یہ گرین ایریاز ہیں، یہاں رہائشی کالونیز نہیں بنا سکتے، یہاں ہاؤسنگ سوسائٹیز نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح انڈسٹریل ایریاز کو بھی حد بندی کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ایسی کوئی پالیسی نہیں، جہاں جس کا دل چاہتا ہے کنسٹرکشن کرتا ہے۔ اس کی وجہ کرپشن بھی ہے۔ اس کا نقصان یہ ہوا ہے کہ پاکستان گلوبل وارمنگ کا بدترین شکار ہو رہا ہے۔

سیلاب کی صورت حال پر نظر ڈالیں تو کئی انٹرنیشنل رپورٹس کے مطابق اگلے چند سالوں میں حالیہ سیلاب سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن سیلاب پاکستان میں آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جنگلات ختم کر دیئے ہیں اور ہر جگہ پر ہاؤسنگ سوسائٹیز بنا دی ہیں۔

۱۰۔ متفرق شعبہ جات کی صورتحال: NRI (Network rediness report) میں مختلف ممالک کی کارکردگی کا موازنہ کرنے کے لیے چار بنیادی عوامل کا جائزہ لیا جاتا ہے:

1. Technology
2. Peoples
3. Governance of that state
4. General impact of policies

ان چار پہلوؤں سے کسی بھی ملک کی کارکردگی کا یہ رپورٹ تجزیہ کرتی ہے۔ اس کے مطابق 131 ممالک میں پاکستان کو ان تمام مذکورہ شعبہ جات میں 89 واں نمبر دیا گیا ہے۔ یعنی 88 ممالک اور اقوام ان تمام پہلوؤں میں ہم سے بہتر ہیں اور ہم آخر کے چالیس ممالک میں آتے ہیں۔

آج سے دس سال پہلے جب ہم انٹرنیشنل ڈیٹا کا جائزہ لیتے تھے تو اس وقت پاکستان کا ڈیٹا ساؤتھ ایشین ممالک، مڈل ایسٹ ممالک اور گلف ممالک کی فہرست میں نظر آیا کرتا تھا۔ آج جب ہم اس ڈیٹا کو دیکھتے ہیں تو وہ افریقی ممالک کی فہرست میں ملتا ہے۔

۱۱۔ زرمبادلہ کے ذخائر: اس وقت انٹرنیشنل رپورٹس کے مطابق پاکستان ڈیفالٹ لسٹ میں چوتھے نمبر پر ہے، جسے ڈیفالٹ ہونے کا رسک ہے۔ حالیہ جنوری کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کا زرمبادلہ 4.3 بلین ڈالرز تک پہنچ چکا تھا۔ IMF کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کو مزید 7 بلین ڈالرز کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ملک کو ڈیفالٹ سے بچانا ہے تو پھر اگلے تین سال کے اندر پاکستان کو 75 بلین ڈالرز کی ادائیگی کرنا ہے یعنی سالانہ 25 بلین ڈالرز پاکستان کو ادا کرنے ہیں۔ UAE، سعودی عرب اور چائنہ سے ملنے والے قرض پر حکومت شور مچاتی ہے کہ پاکستان کو بہت بڑا ریلیف مل گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ

سارے وعدے (Commitment) ورلڈ پراجیکٹ ہے۔ یہ پاکستان کی regular operational expences کی repayment ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں کوئی سپورٹ میسر نہیں ہے۔ گویا پاکستان کے اوپر خطرہ جوں کا توں موجود ہے۔

آج معیشت کے حوالے سے ہم کئی پھندوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہم جس wishes سرکل کے اندر trap ہو چکے ہیں، چاہے وہ IMF کا ہو، چاہے وہ Intrest based loans ہوں، ہم نے قرضوں کے اوپر اپنی معیشت کو استوار کر لیا ہے، اب اس سے نکلنے کا امکان بہت کم ہے۔ سوائے اس کے کہ پاکستان اپنی بہت ساری چیزیں فروخت پر لگادے۔ اس کے بغیر پاکستان کا اس موجودہ صورتحال سے عملی طور پر نکلنا مشکل ہے۔ ان حالات میں انسان اچھی خواہشات تو کر سکتا ہے لیکن حقیقی بات کی جائے تو کوئی اور آپشن نظر نہیں آتے۔

اسلامک اکنامکس اینڈ فنانس کا بنیادی قاعدہ

اکنامکس کا ایک بنیادی قانون رسد (supply) اور طلب (demand) ہے۔ اگر قیمت بڑھتی ہے تو طلب (demand) کم ہو جاتی ہے اور خود بخود قیمتیں ایڈجسٹمنٹ کی طرف جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی طلب کم ہو جائے تو ایڈجسٹمنٹ کے لیے ٹیرف (قیمتیں) نیچے کرنے پڑیں گے۔ ہمارے ہاں یہ کیوں نہیں ہو رہا؟ اس لیے کہ Intrest based banks کی سپلائی موجودہ ہے۔ سپلائیر بھی زیادہ intrest کے اوپر فنانسنگ لے لیتا ہے اور صارف (Consumer) بھی زیادہ intrest کے اوپر فنانس کرتا ہے۔ یہ وہ intrest based economy کا wishes circle ہے کہ جب قیمت بڑھتی ہے تو صارف (consumar) کو طلب (demand) کم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، وہ اور فنانس کی طرف دوڑتا ہے اور اپنی ضرورت کو refinance کرتا ہے اور زیادہ intrest کے اوپر پیسہ اٹھاتا ہے۔ اسی طرح سپلائر بھی اپنے خام مال کی خریداری کے لیے پھر فنانس کی طرف دوڑ پڑتا ہے اور high intrest rate کے اوپر وہ اپنی ضرورت کو فنانس کرتا ہے۔ اس طرح یہ نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے۔ اور پوری دنیا اس جال میں پھنسی ہوئی ہے۔

اس کے برعکس جب ہم اسلامک اکنامکس اینڈ فنانس اور intrest free اکانومی کی بات کرتے ہیں تو وہ ایسی فنانسنگ سے اجتناب کا درس دیتی ہے جو آپ کی ضرورت سے زائد ہو۔ یعنی اسلام بنیادی طور پر یہ تعلیم مہیا کرتا ہے کہ ہم قرض کی طرف انتہائی ناگزیر حالت میں جائیں کہ جب ہماری بقا (survival) بھی ممکن نہ ہو۔ یعنی ایسے اخراجات کو اسلام سپورٹ نہیں کرتا جو مکمل فنانس کے اوپر منحصر ہوں اور اس سے ہماری پوری معیشت فنانس کے گرد گھومنے لگ جائے۔ اسی وجہ سے جب ہم اسلامک بنک کو دیکھتے ہیں تو جو پراڈکٹ اسلامک بنکس کی طرف سے متعارف کی جاتی ہیں، یہ صرف فنانس Orianted نہیں ہوتیں کہ پیسے کے عوض پیسہ معاشرے میں گردش کرے اور اس کے اندر Intrest کا بزنس چل رہا ہو۔ یہ وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے قیمتیں اب تک کنٹرول میں نہیں آرہیں اور آئندہ بھی اس کا امکان کم پایا جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی گورنمنٹ اپنی پالیسیز اس حوالے سے متعارف کرائے۔

جب ہم اسلامک اکنامکس کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد معیشت کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ اسلامک اکنامکس سے مراد کوئی ایسی پروڈکٹ نہیں ہے جسے ہاتھ میں پکڑ لیں اور کہیں یہ اسلامک اکنامکس ہے بلکہ یہ ایک نظامِ حیات اور ایک life style کا نام ہے۔ یہ ٹولز (tools) اور ٹیکنیکس (techniques) کا نام نہیں ہے۔ ہمارے بہت سارے اسلامک بنکنگ اینڈ فنانس سے تعلق رکھنے والے بنکس کچھ ٹولز، ٹیکنیکس اور پروڈکٹس متعارف کرانے کے بعد سمجھتے ہیں کہ شاید انہوں نے اسلامک اکنامکس اختیار کر لی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔

اسلامک اکنامکس ایک سوچ اور نظریے کے بدلنے کا نام ہے۔ ہماری کاروباری زندگی کے بدلنے کا نام ہے۔۔۔ ہم کاروبار کیسے کرتے ہیں، اس نظام کا نام ہے۔۔۔ اس میں ہمارا thinking process تبدیل ہوجاتا ہے۔۔۔ اپنے ملازمین (emplyees) کے ساتھ dealing تبدیل ہوجاتی ہے۔۔۔ خریدار کے ساتھ رویہ تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسلامک اکنامکس کا نظام ہمارے thinking process سے آگے بڑھتا ہے کہ ہمارا سوچنے کا انداز اور معاشرے میں ہمارے اخراجات کا مزاج بدل جائے۔

مثال کے طور پر جب ہم سرمایہ دارانہ نظام (capitalism) کی بات کرتے ہیں یا ماڈرن اکنامکس کی بات کرتے ہیں تو اس کی تعریف کا مکمل تصور محدود وسائل (limited resources) اور لامحدود خواہشات (unlimited desires) کے گرد گھومتا ہے کہ کیونکہ انسان لامحدود خواہشات کا مجموعہ ہے،اس کی خواہشات کی کوئی حد نہیں لیکن معاشرے کے اندر وسائل محدود ہیں تو اکنامکس اس بات کو سمجھاتی ہے کہ اپنی نہ ختم ہونے والی خواہشات اور محدود وسائل کے درمیان تعلق کیسے قائم کرنا ہے؟ یہ modern and contemporary اکنامکس کی زبان ہے۔ جبکہ اسلامک اکنامکس کی زبان سوچ کا انداز بدل دیتی ہے۔ اسلامک اکنامکس کی تعریف یہ ہے کہ یہ ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ اپنی لامحدود خواہشات کو محدود کیسے کرنا ہے۔۔۔؟ جب انسان مسلسل اپنی خواہشات کو محدود کرتا چلا جائے گا تو خود بخود معاشرے کے اندر موجود وسائل اس کے لیے لامحدود ہوجائیں گے۔ اگر اس نظام اور قانون کا حکومتوں اور ممالک کی سطح پر بھی اطلاق ہوجائے یعنی اخراجات کے حوالے سے فضول خرچی اور بے جا خرچ کنٹرول ہوجائے تو ممالک اور حکومتیں اپنے معاشی مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہیں۔ آج سے پچاس یا پچیس سال پہلے یا نوے کی دہائی میں پاکستان میں بھی اگر حکومتیں فضول خرچی، بے جا خرچ اور خواہشات کو کنڑول کرتیں تو شاید پاکستان کے وسائل بھی لامحدود ہوجاتے۔

اسلامی تعلیمات ہمیں صرف مذہبی شعائر اور عبادات کے امور پر ہی رہنمائی نہیں دیتیں بلکہ یہ ہمارے کل نظام حیات کو محیط ہیں۔ اس باب میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کسی سے اپنا اسلام سمجھ رہے ہیں اور سیکھ رہے ہیں۔۔۔؟ اگر ہم اسلام ایسے شخص سے سیکھتے ہیں کہ جو تالاب کی مچھلی ہے تو اس نے تو صرف و نحو کی گردانوں سے باہر کچھ دین سیکھا ہی نہیں تو وہ ہمیں کوئی نظام اسلام کی روشنی میں نہیں سمجھا سکتا۔ لیکن اگر ہم کسی ایسے شخص کے پاس جاتے ہیں جو نظامِ معیشت بھی سمجھتا ہے، نظامِ سیاست کو بھی سمجھتا ہے، نظامِ معاشرت کو بھی سمجھتا ہے اور آقا ﷺ کی تعلیمات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے تو وہ ہمیں بہتر انداز میں ہمارے modern life style کے لیے جو موزوں ہے، وہ نظام اسلام کی روشنی میں سمجھا اور سکھا سکتا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اجزاء

آیئے! اب اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اجزاء کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں:

ا۔ اسلامی نظامِ معیشت کا آغاز درحقیقت نیت سے ہوتا ہے۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (بخاری، الصحیح، ۱: ۳، الرقم: ۱)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

اسلامی معیشت (اکنامکس) کے ٹولز و ٹیکنیکس بہت بعد میں آتے ہیں، سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کی نیت کیا ہے اور وہ چاہتا کیا ہے۔۔۔؟ کیا وہ قانون کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے یا وہ حقیقی طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے۔۔۔؟ اگر تو اس طرح کا طرزِ عمل یا سوچ ہو کہ فتویٰ بھی نہ لگے اور اسلام کے دائرے میں بھی رہے اور پھر اپنی خواہشات بھی پوری کرلے، تو یہ اسلامک اکنامکس نہیں ہے۔

جیسے ہم زکوٰۃ کے ساتھ کرتے ہیں کہ جب سال بعد زکوۃ دینے کا وقت آتا ہے تو فوری مفتیان کرام کے پاس دوڑتے ہیں کہ کوئی ایسا طریقہ بتادیں کہ مال پر کم پیسہ دینا پڑے۔ اگر سوچ اسلامی معیشت اور آقا ﷺ کی تعلیمات کے تابع ہے تو پھر انسان یہ نہیں کہے گا کہ مجھے پیسہ بچانا ہے بلکہ وہ جا کر کہے گا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میں اپنے مال کے ذریعے آقا ﷺ کی غریب امت کی زیادہ خدمت کر سکوں اور اپنے معاشرے میں غربت کو بہتر انداز میں دور کر سکوں۔ اس لیے اسلامک اکنامکس کا مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنی نیت کا جائزہ لیں کہ کیا سوچ کار فرما ہے جس کے نتیجے میں ہم اسلامی معیشت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ معیشت کے حوالے سے اسلام کی مزید تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام کاروبار سے نہیں روکتا، نہ قرآن مجید کی تعلیمات کاروبار سے روکتی ہیں اور نہ ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کاروبار سے روکتی ہیں بلکہ اسلام نے کاروبار کے لیے نظام وضع کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (الجمعۃ، ۶۲: ۹)

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لیے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“

گویا ہمیں کاروبار کے لیے رغبت دلائی جا رہی ہے۔ یہ بھی اسلامی تعلیمات کا ایک رخ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس سوچ کی حوصلہ شکنی بھی کی جا رہی ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد مساجد اور مزارات میں بے جا گھنٹوں مت بیٹھے رہیں بلکہ اپنے بچوں کی روزی کے لیے تگ و دو کریں۔ اس لیے فرمایا کہ جب اللہ کے حضور فرض عبادات کے لیے حاضر ہوں تو فارغ ہو کر فوری رزق تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جایا کریں۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

”اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر تم (زمانۂ حج میں تجارت کے ذریعے) اپنے رب کا فضل (بھی) تلاش کرو۔“ (البقرہ، ۲: ۱۹۸)

اب حج سے بڑی اللہ تعالیٰ کی کون سی عبادت ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم حج کے دوران بھی تجارت کرو تو کوئی گناہ کا کام نہیں ہے۔ یہ اسلام کی وہ اعلیٰ سوچ ہے جو کاروبار اور تجارت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

۳۔ اسلام ہمیں اس بات کا بھی پابند بناتا ہے کہ تجارت سے مال تو کماؤ مگر کسی کا مال ناجائز طریقے سے غصب نہ کیا کرو، یا لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر intrest کے ذریعے پیسے سے پیسہ نہ کمایا کرو بلکہ تجارت اور کاروبار کرو جس سے ملکی معیشت کو فائدہ ہو اور لوگوں کو روزگار میسر آئے۔ اپنے پیسے کو intrest کے ذریعے بڑھاتے چلے جانے سے کسی کو روزگار مل رہا ہے اور نہ کوئی انڈسٹری لگ رہی ہے اور نہ ہی ملکی معیشت میں کوئی بہتری آ رہی ہے۔ یہ اسلامی معیشت کی وہ بنیادی بات (core point) ہے کہ اسلامی معیشت intrest پر پیسہ دینے کی بجائے تجارت پر زور دیتی ہے کیونکہ تجارت سے بے روزگار لوگوں کو روزگار میسر آتا ہے اور ملکی معیشت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(جاری ہے)

❀❀❀❀❀❀

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ محترم نوراللہ صدیقی (نائب ناظم اعلیٰ میڈیا افیئرز و چیف ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن) کے والد محترم محمد رفیق قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک نے مرحوم کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت و بلندی درجات کی خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

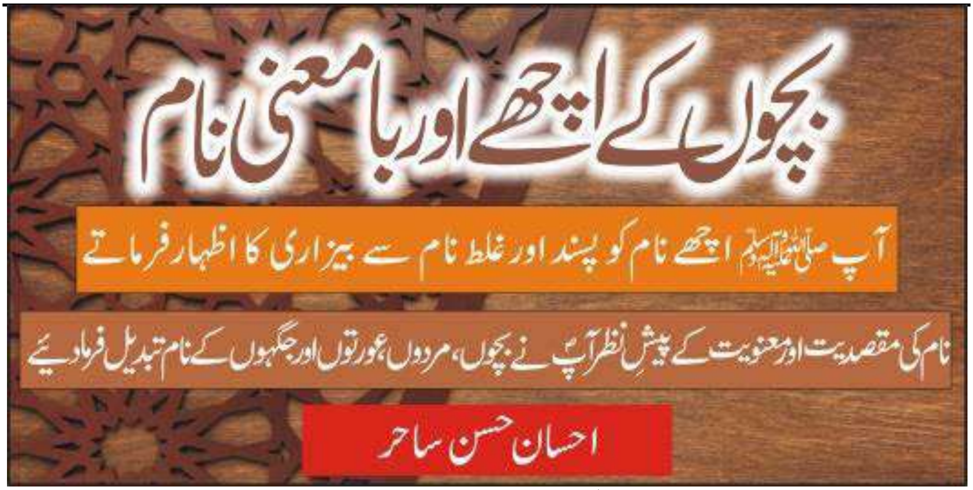

دینِ اسلام اپنی کاملیت و اکملیت کی وجہ سے نسلِ آدم کے لیے ایک بہترین ضابطہ حیات (Constitution of human life) ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں ہر انسان اپنی عملی زندگی کے ہر مسئلہ کا حل تلاش کر سکتا ہے۔ وہ مسئلہ معاشرتی ہو یا سیاسی و دینی ہو یا دنیاوی اس دین مبین سے ہر طرح کی رہنمائی ملتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان ہی پہلوؤں میں سے ایک پہلو کا تعلق بچوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب الادب، ۱۲۱۱:۲، الرقم: ۳۶۷۱)

اپنی اولادوں کی عزت افزائی کیا کرو اور انہیں اچھے آداب سکھایا کرو۔

اکثر یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اولاد کے اطوار و عادات کو مثبت نہج پر استوار کرنے میں والدین کی غیر ذمہ داری، عدم دلچسپی اور نامناسب پرورش کے انداز بچوں کو ہٹ دھرم، ضدی، اکھڑ مزاج، بدتمیز، بے ادب اور من مانی کرنے والے بنا دیتے ہیں۔ دین نے ہمیں اولاد کی تعلیم و تربیت کے جو نادر اصول اور قواعد و ضوابط عطا کیے ہیں، ان پر عمل پیرا ہونے سے والدین اور اولاد ہر دو فریق معاشرے کے مفید افراد بن سکتے ہیں۔ جہاں والدین پر بچوں کے کئی حقوق ہیں وہاں ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ بچوں کی ولادت کے بعد ان کا کوئی اچھا اور بامقصد اسلامی نام رکھیں۔ ایسا نام جو ان کے مستقبل میں ان کی سیرت و کردار کو اجاگر کرنے میں ایک امتیازی نشان (symbol) بن جائے۔

اکثر یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ والدین یا خاندان کے بزرگ اپنے نومولود بچے کا نام منتخب کرنے میں لاعلمی کا شکار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہی نام اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانه او ینصرانه اویمجسانه۔ (بخاری، الصحیح، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ۱: ۴۶۵، الرقم: ۱۳۱۹)

ہر نومولود اپنی جبلت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔

ہمارا یہ فرضِ اول ہے کہ بچے کے بنیادی حق کا خیال رکھتے ہوئے اس کا اچھا نام رکھیں۔ اور اس کو اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کریں۔ متعدد احادیث میں بامعنٰی و بامقصد نام رکھنے کی اہمیت و افادیت کا ذکر موجود ہے۔ ذیل میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم و أسماء آبائکم، فأحسنوا أسمائکم.

”روزِ قیامت تم اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے اس لیے اپنے نام اچھے رکھا کرو۔“

(ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في تغير الاسماء، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۸)

۲۔ حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تسموا بأسماء الأنبياء، وان أحب الأسماء إلى الله عزوجل عبد الله وعبد الرحمن، وأصدقها حارث وهمام، وأقبحها حرب ومرة.

’’انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سے ’عبداللہ‘ اور ’عبدالرحمٰن‘ زیادہ پسند ہیں۔ سب ناموں سے سچے نام ’حارث‘ اور ’ہمام‘ ہیں جب کہ سب سے برے نام ’حرب‘ اور ’مرہ‘ ہیں۔‘‘

(ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في تغير الاسماء، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۵۰)

گویا آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے نام رکھنے کی تلقین فرمائی جن میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ’’عبد‘‘ کا لفظ شامل کیا گیا۔ مثلاً عبدالتواب، عبدالغفور، عبدالستار، عبدالحئی، عبدالاحد وغیرہم۔

۳۔ آقا کریم ﷺ نے فرمایا:

جس کا نام میرے نام کے ساتھ خوش نصیبی کی علامت سمجھ کر رکھا جائے، وہ یقیناً خوش نصیب ہوگا اور روز قیامت تک زیر امن رہے گا۔

۴۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

مَنْ وُلِدَ لَهُ مولودٌ، فسمَّاهُ محمَّدًا تبرُّكًا بِهِ، كانَ هو ومولودُهُ فى الجنَّةِ. (السيرة الحلبيه، ۱: ۱۳۵)

جب کسی کے ہاں فرزند کی ولادت اور میری محبت میں اس کا نام (محمد ﷺ) رکھا جائے تو رکھنے والا اور فرزند دونوں جنتی ہیں۔

۵۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کسی کے ہاں بیٹے کی ولادت ہو تو اس کا اچھا نام رکھا جائے اور بہتر علم سکھایا جائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے۔ (فتح الباری، ۹: ۵۸۹، الرقم: ۵۱۵)

۶۔ حضرت عبداللہ بن بکیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی کا نام دریافت فرماتے تو اگر اس کا نام اچھا ہوتا تو چہرہ انور سے خوشی عیاں ہو جاتی اور اگر نام غیر مناسب اور غیر موزوں ہوتا تو رخ انور پر بیزاری ظاہر ہو جاتی۔ اسی طرح جب کسی گاؤں یا شہر میں داخل ہوتے تو اس جگہ کا نام دریافت فرماتے۔ اگر نام اچھا ہوتا تو خوش اور اگر غلط ہوتا تو ناخوشی کا اظہار فرماتے۔

اس کی ایک مشہور مثال وہ واقعہ ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر وادی یثرب میں تشریف لائے اور پھر کچھ مدت کے بعد اس کا نام یثرب کالعدم قرار دیتے ہوئے مدینہ طیبہ رکھ دیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، ۵: ۶۳۰، الرقم: ۲۷۳۷)

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

كان رسول الله يغير الاسم القبيح ويبدله باسم حسن۔

رسول اکرم ﷺ برے ناموں کو اچھے اور احسن ناموں میں تبدیل فرما دیا کرتے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ۸: ۳۹۷)

۸۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی ایک ہمشیرہ کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آقا کریم ﷺ نے ان کا نام بدل کر جمیلہ (حسینہ) رکھ دیا۔ (ابن حبان، الصحیح، ۱۳۵، ۱۳: ۵۸۱۹، الرقم: ۵۸۱۹)

۹۔ زینب ابی سلامہ کہتی ہیں کہ میرا نام بڑہ (متقی، رہائی پانے والی) تھا، اس پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا: تقویٰ کا دعویٰ مت کرو، یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ متقی کون ہے؟ چنانچہ ان کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ (ابن حبان، الصحیح، ۱۳۵، ۱۳: ۵۸۳۹، الرقم: ۵۸۳۹)

۱۰۔ حضرت سعید بن مصاحب رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ایک بار بارگاہ مصطفی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آقا کریم ﷺ نے ان کا نام پوچھا۔ عرض کی: میرا نام حزن (رنج و ملال) ہے۔ فرمایا: میں تمہارا نام سہل (آسان) رکھتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ میں یہ نام اس لیے نہ بدلوں گا کہ یہ نام میرے والد نے رکھا ہے۔ ابن مصاحب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب تک وہ حیات رہے، حزن و ملال اور دکھوں میں مبتلا رہے۔ (بخاری، الصحیح، ۲۲۸۹، ۵: ۵۸۴۰، الرقم: ۵۸۴۰)

امام ابوداؤد لکھتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ نام تبدیل کیے جن میں:

’عاص‘، ’عزیز‘، ’عَتَلَہ‘، ’شیطان‘، ’حکم‘، ’غُراب‘، ’حُباب‘، ’شِھاب‘ وغیرہ نام بدل دیئے۔ پس

’شہاب‘ کا نام ’ھشام‘ رکھا، ’حرب‘ کا نام ’سلم‘ رکھا اور ’مضطجع‘ کا نام ’منبعث‘ رکھا۔ اسی طرح جس زمین کو ’عفرہ‘ کہا جاتا تھا اس کا نام ’خضرہ‘ رکھا اور ’شعب الضلالہ‘ کا نام ’شعب الھدیٰ‘ رکھا۔ ’بنو ذنیہ‘ کا نام ’بنو رَشدہ‘ رکھا اور ’بنی مغویہ‘ کا نام ’بنی رِشدہ‘ رکھا۔

(ابوداؤد، السنن، ۴:۲۸۹، الرقم: ۴۹۵۶)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف اچھے ناموں کو پسند فرمایا بلکہ اچھے نام رکھنے کا حکم بھی دیا اور اسے بچے کی پیدائش کے بعد اولین حق قرار دیا۔

۱۱۔ غلط ناموں میں حضور نبی اکرم ﷺ کئی لوگوں کے نام کی اصلاح فرمائی جن اصحاب نے حکم نبوی ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا انھوں نے فوز و فلاح پائی اور جن لوگوں نے اس رائے اور مشورہ کو اہمیت نہ دی، وہ ہمیشہ بدبختی کا شکار رہے۔ ذیل میں اسی نوعیت کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ا۔ فتح مکہ ۸ ہجری سے کچھ عرصہ قبل بنو سلیم کے 900 یا (بروایت دیگر 1000) افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، ان میں کچھ اصحاب پہلے ہی نعمت اسلام سے فیضیاب ہو چکے تھے اور باقی ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر قائم تھے۔ انھوں نے بھی حاضری کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اسی وفد کے ایک نہایت معزز اور باوقار فرد جب خدمتِ اقدس میں پیش ہوئے تو آقائے کریم ﷺ نے ان سے نام دریافت فرمایا۔ انھوں نے بصد احترام کہا میرا نام غاوی بن ظالم ہے۔ یہ سن کر بلاتاخیر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سنو! تم اب راشد بن عبد ربہ ہو۔ (السیرۃ الحلبیہ، ۳: ۴۴۸)

چنانچہ ارشاد رسول ﷺ کی تعمیل میں سر آنکھیں جھکا دیں۔ غاوی لغتِ عربی میں شریر اور گمراہ کو کہا جاتا ہے۔ اسی لیے معلم کائنات ﷺ نے نہ صرف غاوی کو راشد (یعنی راہ حق کا مسافر بنا دیا بلکہ ان کے والد کے نام ظالم کو بھی عبد (رب کا بندہ) سے تبدیل فرما دیا۔ بعض روایات میں ان کا نام راشد بن عبد اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے ایک بارعب، باوقار اور قوی الجثہ شخص مدینہ میں وارد ہوا اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور بعد ازاں انھوں نے اسلام قبول کر کے صحابیت کا درجہ پایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے عرض کیا میرا نام یسار ہے۔ یہ سن کر آقا کریم ﷺ نے فرمایا: اب تمہارا نام سلیمان ہے۔ انھوں نے دنیائے اسلام میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ان کی کنیت ابو مطرف تھی، ان کا تعلق قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا۔ (تہذیب التہذیب، ۴:۲۰۰)

۳۔ جب سرور عالم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک صحابی نے اپنا پانچ سالہ معصوم بچے کو خدمت عالیہ میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض پیش کی کہ یارسول اللہ ﷺ یہ میرا صاحبزادہ ہے۔ آپ ﷺ نے شفقت و رافت سے بچے کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور والد سے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: حزن۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: آج سے یہ بچہ حزن نہیں سہل ہے۔ (اسد الغابہ، ۲:۳۲۰) والد نے بسر و چشم قبول کیا اور یہی بچہ تاریخ اسلام کے افق پر سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک تابناک ستارہ بن کر چمکا۔ اس بچے کا تعلق بھی قبیلہ بنو خزاعہ کی شاخ بنو ساعدہ سے تھا۔ اسی نسبت سے ان کو تاریخی اوراق پر سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ رقم کیا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ الخیر کا تعلق یمن کے معروف قبیلہ بنو طے سے تھا۔

وہ ایک اچھے نعت گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلیغ الزبان اور فصیح البیان خطیب بھی تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ اپنے عہد کے مروجہ علوم میں کمال اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا شمار اپنے قبیلہ کے انتہائی صالح اور نیک خصلت لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کی عادت تھی کہ فلاح و بقا اور تعمیری و سماجی کاموں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ۹ ہجری (عام الوفود) میں انھوں نے اپنے افراد قبیلہ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں آکر بارگاہ مصطفوی میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور جب رسالت مآب ﷺ کو عین اپنے روبرو دیکھا تو بصد احترام عرض گزار ہوئے کہ میں نو دنوں کی پُر صعوبت مسافرت کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔ اس طویل سفر نے میری سواری کو بھی تھکا دیا۔ میری راتیں جاگتے اور دن تشنہ لبی میں گزرے۔ یہ تمام مشکلات میں نے محض اس لیے برداشت کیں کہ اسلام کی نعمت غیر مترقبہ سے اپنا خالی دامن کو

بھرلوں۔ یہ سن کر سرورِ عالم ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کی میرا نام زید الخیل ہے۔ فرمایا آج سے تم زید الخیر ہو، اب جو کہنا ہے بلا جھجک کہو۔ (اسد الغابۃ، ص: ۱۲)

۵۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا شمار تاریخ اسلام کے قد آور اور شجاع و بہادر جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کی دولت کثیرہ سے مالا مال ہوئے۔ قبل از قبولِ اسلام آپ کا نام بھی عبدالکعبۃ (کعبے کا بندہ) تھا۔ جب جوہر اسلام سے دامن بھرا تو ان کا نام بدل کر عبدالرحمن رکھ دیا گیا۔ (المنتظم، ابن جوزی، ۲۳۴:۵، الرقم: ۳۴۷)

آپ رضی اللہ عنہ نے ۹ ہجری میں رحمۃ للعالمین کے ساتھ غزوہ تبوک میں بھرپور شرکت کی۔ بعد ازاں عہد عثمانی میں سجستان، خراسان اور بابل میں لائق تحسین فتوحات حاصل کیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے علاقہ بلوچستان کا ایک رقبہ ان کے زیر تسلط آگیا۔ ۳۶ ہجری میں سجستان سے واپس آگئے۔ ۴۴ ہجری میں ان کو اسی صوبہ کا والی مقرر کر دیا گیا۔ بڑے متواضع بزرگ تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں بصرہ کو مستقل جائے اقامت بنالیا اور اسی شہر میں ۵۰ ہجری میں رحلت فرمائی۔

۶۔ سیدالمرسلین علیہ تحیۃ والسلام جب اپنے آبائی وطن مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک تنومند نوجوان حاضر خدمت ہوا اور قبولِ اسلام کے بعد اپنی بات چیت میں اس نے حجری معبودان باطلہ یعنی بتوں سے سخت کراہت، نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا۔ نبی معظم ﷺ نے ان کی باتیں سننے کے بعد پوچھا: اے نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کی: میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، آج سے قبول اسلام کے بعد تمہارا نام عبدالرحمن عدو الاوثان (یعنی رحمن کا وہ بندہ جو بتوں کا دشمن ہو) ہے۔ (اسد الغابۃ، ۵۸۴:۱۰)

انھوں نے بصد احترام اس نام کو پسند کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اب میں عبدالعزیٰ نہیں بلکہ عبدالرحمن ہوں۔ یہ صحابی رسول جن کی صنم دشمنی کی شہادت صنم شکن رسول ﷺ نے دی، قبیلہ بلی کی شاخ بنو انیف سے تعلق رکھنے والے خوش بخت صحابی ابو عقیل الانیفی بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

۷۔ آفتاب رسالت ﷺ جس زمانہ میں سرزمین حجاز کے مقدس کوہ فاران کی اوٹ سے طلوع ہوا تو یمن کے ضلع نجران میں آباد بنو حارث بن کعب کے کچھ معتبر اور معزز لوگ ایک وفد کی صورت میں خدمت رسالت میں حاضر ہوئے۔ کچھ مدت مدینہ میں قیام کے بعد جب یہ لوگ اپنے وطن واپس جانے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے ان کو ہدایا سے نوازا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اس بات کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ اپنے کسی لائق، قابل اور صاحبِ علم صحابی کو ان لوگوں کے ہمراہ بطورِ عامل اور معلم یمن کر دوں۔ چنانچہ نگاہِ انتخاب ایک ایسے ہی سترہ سالہ نوجوان پر پڑی جو اس فریضہ کی احسن انداز میں بجا آوری کے لیے اپنی کم سنی میں بھی غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے۔

یہ تھے جناب عمرو بن حزام انصاری رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنی تغلق کی شاخ بنو خزرج سے تھا۔ فرمان رسول ﷺ کی تعمیل میں بطور معلم جب آپ نجران روانہ ہونے لگے تو اپنی اہلیہ عمرہ بنت عبداللہ بن حارث غسانی کو بھی ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اسی برس اللہ نے ان کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ والدین نے نومولود کا نام محمد اور کنیت ابو سلیمان رکھی۔ اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ بچے کی ولادت، اس کے نام اور کنیت کی اطلاع جب حضور نبی اکرم ﷺ کو دی گئی تو اپنے جوابی مکتوب میں آقا کریم ﷺ نے تحریر فرمایا: نومولود کا نام محمد بہت اچھا ہے، تاہم کنیت ابو سلیمان کی بجائے ابو عبدالملک رکھی جائے۔ چنانچہ جناب عمرو بن حزام انصاری رضی اللہ عنہ نے تعمیلِ حکم میں کنیت بدل دی۔

یہ وہ چند مثالیں تھیں جو میرے آقا نامدار ﷺ کی ذات اقدس کے حوالہ سے بیان کی گئیں۔ بسا اوقات نام کے انتخاب کے سلسلہ میں والدین کی اپنی پسند کچھ اور ہوتی ہے مگر مصلحت، بہتری اور حکمت کسی اور نام کا تقاضا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آقا کریم ﷺ اپنی حکمت کاملہ اور مصلحت کیشی کے پیش نظر کئی احباب کے نام تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔ لوگوں کا ایمان، اعتماد اور یقین تھا کہ حکمِ رسول ﷺ ہی دراصل حکم ربانی ہے۔ آپ ﷺ نے ذاتی گھمنڈ، غرور، تکبر، اکڑپن اور بڑا پن ظاہر کرنے والے نام رکھنے سے منع فرمایا۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کرانا اشد ناگزیر ہے کہ جو نام لفظ عبد سے مربوط و منسلک ہوں ان کو عبد کے بغیر پکارنا یا لکھنا ناجائز ہے۔ مثلاً: عبدالغفور، عبدالقیوم، عبدالستار کو صرف غفور، قیوم اور

ستار کہا جائے گا تو گناہ ہے غفور، قیوم اور ستار تو کریم ذات الٰہی کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ لہٰذا ان ناموں کو عبد کے لاحقہ سے بلانا چاہیے۔

کئی خاندانوں میں رسم بھی پائی جاتی ہے کہ بازاری جنتری کی مدد سے نام منتخب کیا جاتا ہے۔ ایسے رکھے جانے والے نام اکثر پریشانی کا موجب بنتے ہیں اور بڑوں کی غلطیوں کا خمیازہ معصوم جانوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی تعلیمات میں بچے کا نام رکھنے کے لیے ستارہ ملانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ رسول اکرم ﷺ نے نام کے اچھے ہونے کی شرط بیان کی ہے۔ اسلام نے بچے کے حقوق کے باب میں ایک حق یہ بھی شامل کیا ہے کہ اُسے پیارا سا نام دیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بچوں کے عجیب و غریب نام رکھا کرتے، نبی اکرم ﷺ نے ایسے نام ناپسند فرمائے اور خوبصورت نام رکھنے کا حکم دیا۔

امام طوسی روایت کرتے ہیں:

جاء رجل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ما حق ابنی هٰذا قال (ﷺ) تحسن اسمه و ادبه و صنعه موضعاً حسناً۔

”ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے اس بچے کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تو اس کا اچھا نام رکھ، اسے آداب سکھا اور اسے اچھی جگہ رکھ (یعنی اس کی اچھی تربیت کر)۔“

(محمد بن احمد صالح، الطفل في الشريعة الاسلامية: ۷۴)

یہ بات عام دیکھنے میں آئی ہے کہ اسلامی ناموں کو ہئیت یا خصوصیت کے اعتبار سے انگریزی طرز میں بدل دیا جاتا ہے یا پھر بچوں کے (nick name) رکھ دیئے جاتے ہیں مثلاً وقار سے وکی، شوکت سے شوکی اور اسی طرح دوسری صورت میں بے جا لاڈ پیار سے ان کے نام ٹومی، عینی، پپو اور لاڈا رکھ دیئے جاتے ہیں۔ ناموں کے حسن کا یہ بگاڑ ایک غیر اخلاقی رجحان کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔ ہر خوبصورت نام کو جان بوجھ کر بگاڑ دینا کوئی مستحسن عمل نہیں ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ اپنے بچوں کے نام مغربی اور فرنگی طرز پر رکھیں اور نہ ہی ان کو مسخ شدہ ناموں سے پکاریں بلکہ با معنی اور پُر حکمت اسلامی نام رکھ کر لکھا اور پکارا جائے۔

تحریک منہاج القرآن کی سنٹرل ایگزیکٹو کونسل (CEC)/مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس مورخہ 27 مئی 2023ء بروز ہفتہ دن 11 بجے منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت چیئرمین سپریم کونسل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کی۔ اجلاس میں ممبران سی ای سی، مرکزی قائدین، نائب ناظمین اعلیٰ، فورمز صدور، نظامتوں اور شعبہ جات کے سربراہان کے علاوہ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز کے زونل صدور جب کہ ویمن لیگ کی زونل ناظمات شامل تھیں۔

☆ تلاوت قرآن مجید اور نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد محترم خرم نواز گنڈا پور ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹر نیشنل نے کلمات استقبالیہ پیش کیے۔ اس کے بعد محترم انجینئر محمد رفیق نجم نائب ناظم اعلیٰ کوآرڈینیشن نے تنظیمی استحکام پر بریفنگ دیتے ہوئے ہاؤس کو بتایا کہ سال 2023ء تنظیمی استحکام اور Devolution کا سال ہوگا اور یونین کونسل کی سطح پر تنظیمی انفراسٹرکچر مکمل کیا جائے گا اور تحریک منہاج القرآن کی آئندہ دو سال کے لیے تنظیم نو بھی کی جائے گی۔

☆ محترم غلام مرتضیٰ علوی نے فہم دین کے بارے رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ تحریکِ منہاج القرآن نے دین کے صحیح فہم کے ابلاغ، امن و سلامتی اور اعتدال پر مبنی اسلامی تعلیمات کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات کے ذریعے سوشل میڈیا کی مدد سے دنیا بھر میں عام کرنے کے لیے فہم دین پراجیکٹ کا آغاز یکم مارچ 2021ء میں کیا۔ فہم دین پراجیکٹ کے تحت اب تک 708 آڈیو اور وڈیو کلپس جاری ہو چکے ہیں اور ہفتے میں دو بار ملک بھر میں ہزاروں رجسٹرڈ افراد تک پہنچائے جا رہے ہیں اور یہ تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔

☆ محترم سعید رضا بغدادی نے مراکزِ علم کے نصاب، معلمین کی تیاری و رجسٹریشن کے بارے بریفنگ دیتے ہوئے ہاؤس کو بتایا کہ مراکز علم کے پہلے سمیسٹر کا نصاب شائع ہو چکا ہے۔ معلمین کی ٹریننگ کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ رواں سال چھ ہزار سے زائد مراکز علم قائم کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔ ایک مرکز علم کا دورانیہ ایک سال ہوگا۔ چار چار ماہ کے تین سمیسٹر ہوں گے۔ ہر سمیسٹر کے لیے الگ نصاب ہوگا۔

☆ محترم خرم نواز گنڈاپور نے مراکزِ علم کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کے بارے ہاؤس کو بتایا کہ شیخ الاسلام نے اگلے پانچ سالوں میں 25 ہزار مراکز علم قائم کرنے کا ہدف دیا ہے۔ ہم نے ایک سال میں 5 ہزار مراکز علم قائم کرنے ہیں۔ اس کی پلاننگ ہو چکی ہے۔ فیلڈ میں اس کی تنفیذ نائب ناظمین اعلیٰ، صدور فورمز اور ناظمین زونز لوکل تنظیمات کے ذریعے کریں گے۔ مراکز علم کے ذریعے شیخ الاسلام ایسے افراد پیدا کرنا چاہتے ہیں جو انتہا پسندی اور متشدد رویوں سے آزاد ہوں اور اعتدال و توازن پر مبنی سوچ کے حامل ہوں۔ فروغِ علم و شعور تحریک منہاج القرآن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ تحریک نے اپنی چار دہائیوں پر

مشتمل جدوجہد میں سیکڑوں تعلیمی ادارے اندرون ملک اور بیرون ملک قائم کیے۔ کبھی عوامی تعلیمی مراکز کے ذریعے گاؤں گاؤں تعلیمی ادارے قائم کیے اور کبھی سکولز اور کالجز کا جال بچھایا۔ اب 25000 مراکز علم قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے کیونکہ شیخ الاسلام سمجھتے ہیں کہ جب تک اس قوم کو تعلیم، شعور اور آگہی نہیں دی جاتی نہ تو معاشی اور سیاسی میدان میں ترقی کر سکتے ہیں اور نہ ہی تنگ نظری، تعصب، فرقہ واریت، دہشت گردی اور سماجی برائیوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ مصطفوی معاشرہ کے قیام کے لیے مرکزِ علم بنیادی یونٹ ہوگا۔ ہر وہ جگہ، آفس یا گھر مرکزِ علم بن سکتا ہے جہاں مناسب تعداد میں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔

حلقات درود و فکر پر بریفنگ دیتے ہوئے محترم خرم نواز گنڈاپور نے کہا ویژن 2025ء کے مطابق ہر یونین کونسل میں حلقہ درود و فکر کا قیام لازمی ہے۔ اس لیے ہر یونین کونسل میں حلقہ درود و فکر قائم کیا جائے گا۔ قائم کردہ حلقہ کو مرکز کی نظامت حلقات درود و فکر کے ساتھ رجسٹرڈ کروایا جائے تاکہ مرکز کے نظم میں آجائیں۔

محترم خرم نواز گنڈا پور نے مزید کہا کہ آئندہ فیلڈ کے پروگرامز میں شیخ الاسلام کے خطاب کا 15 سے 20 منٹ کا کلپ چلایا جائے گا جو اس پروگرام کے موضوع سے مطابقت رکھتا ہوگا۔ اس سے عوام الناس تک تحریک کا بیانیہ شیخ الاسلام کی زبان سے براہ راست پہنچے گا۔

اعتکاف پر بریفنگ دیتے ہوئے ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل نے کہا کہ ہم نے اعتکاف 2023ء کے جو اہداف رکھے تھے، الحمد للہ اس سے زیادہ لوگ اعتکاف بیٹھے۔ تربیت اور صحبت کے لیے تمام عہدیداران اور کارکنان کے لیے 10 روزہ اعتکاف لازمی ہے۔ اعتکاف تحریک کے لئے بنیادی تربیت گاہ ہے۔ آئندہ سال کے لیے اعتکاف کی رجسٹریشن کا سلسلہ پورا سال جاری رہے گا۔ تمام سکالرز اپنے دعوتی دورہ جات کے دوران اعتکاف کی دعوت دیا کریں گے۔ نئے لوگ جو مراکز علم کے ذریعے یا حلقات درود و فکر کے ذریعے تحریک کے قریب آئیں انہیں اعتکاف کے لیے تیار کریں۔ فیلڈ میں جنہیں نئی ذمہ داریاں دیں، اسی وقت انہیں اعتکاف کے لیے تحریک دیں۔ اعتکاف کے لئے کوشش کریں کہ فیملی سمیت آئیں۔

☆ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اجلاس میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ قائد وہ ہوتا ہے جس کی سوچ جو پہلے دن ہو وہی آخری دن ہو۔ قیادت اللہ کے نور سے دیکھتی ہے۔ شیخ الاسلام نے پچھلے تین سالوں میں جو کچھ فرمایا اس وقت لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا مگر آج ایک ایک چیز سچ ثابت ہو رہی ہے۔ یہ سفر دنوں کی بجائے صدیوں اور سالوں پر محیط سفر ہے۔ اس سفر کو جاری رکھیں۔ راستے میں موجود رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے پلاننگ کرتے رہیں، نظر اپنی منزل پر رکھیں، کامیابی ان شاء اللہ ہمارا مقدر ہوگی۔ اگر زمانے کو قصور وار ٹھہراتے رہے تو منزل ہم سے بہت دور ہو جائے گی۔ شیخ الاسلام نے گزشتہ سال شوریٰ کے اجلاس میں دو پراجیکٹ دیئے تھے:

ا۔ مراکز علم کا جو ہدف رکھا گیا ہے، اُسے پورا کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحتیں بروئے کار لائیں۔ یہ ہماری اور آئندہ نسلوں کی نجات کا راستہ ہے۔

۲۔ مثالی میمز کے پراجیکٹس: ماں، مسجد، مدرسہ/اسکول، میڈیا، معاشرت، معیشت، مواخات۔

مرکز علم کا اجراء ہر گھر اور بیٹھک میں کریں، جس گھر میں مرکز علم ہوگا اس گھر والے تحریک سے بھی منسلک ہوں گے، پھر اُن کا تعلق مسجد سے بھی قائم ہوگا۔ مرکز علم دعوت کا بھی مرکز ہوگا، لوگوں کی خیر خواہی اور ویلفیئر کا بھی مرکز ہوگا۔

ہر مرکز علم پر ایک دن ایگرز کے لئے مخصوص ہو۔ بچوں کے لئے کورس تیار کریں اور بچوں کو سکھائیں۔ اس سے آپ بچوں کو تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

☆ سنٹرل ایگزیکٹو کونسل کے اجلاس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کو انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرنے پر ایک قرارداد کے ذریعے مبارکباد دی گئی اور کہا کہ قرآن مجید کے انگریزی زبان میں ترجمہ سے مغربی دنیا میں قرآن کی حقیقی تعلیمات کو فروغ دینے میں مدد ملے گی۔ اجلاس کا اختتام دعائے خیر پر ہوا۔ ❁❁❁❁❁❁

شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9 ویں برسی

سانحہ ماڈل ٹاؤن کا قانون کے مطابق انصاف چاہتے ہیں: شیخ الاسلام

شہداء کے لئے شہر شہر دعائیہ تقاریب، قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں

پاکستان، برطانیہ، یورپ، امریکہ، کینیڈا میں شہداء کیلئے خصوصی دعائیہ تقاریب کا انعقاد

رپورٹ: رمیض حسین

17 جون 2023ء کو شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9 ویں برسی منائی گئی، منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ لاہور سمیت ملک بھر میں شہدائے ماڈل ٹاؤن کے لئے قرآن خوانی کی گئی اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کی گئیں۔ دعائیہ تقاریب کا اہتمام منہاج القرآن انٹرنیشنل کے اسلامک سنٹرز یوکے، یورپ، امریکہ، کینیڈا میں بھی کیا گیا اور عدلیہ سے اپیل کی گئی کہ مظلوموں کو انصاف دیا جائے۔

☆ تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9ویں برسی کے موقع پر اپنے خصوصی پیغام میں کہا کہ 9 سال کے بعد بھی شہداء کے ورثاء انصاف مانگ رہے ہیں۔ سانحہ کی غیر جانبدار تفتیش کرنے والی جے آئی ٹی کو کام کرنے سے روکا گیا ہے۔ غیر جانبدار تفتیش سے ہی انصاف ملنے کا عمل شروع ہو گا۔ غیر جانبدار جے آئی ٹی کی تفتیشی رپورٹ سے حقائق سامنے آئیں گے۔ ہم سانحہ ماڈل ٹاؤن کے انصاف کا قانونی Process چاہتے ہیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی دوسری جے آئی ٹی سپریم کورٹ کے لارجر بنچ کے حکم پر بنی تھی جس پر طویل عرصے سے stay چل رہا ہے۔ ہماری چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ سے استدعا ہے کہ وہ اس پر فیصلہ کریں تاکہ انصاف کا عمل آگے بڑھ سکے۔

انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے لارجر بنچ کے روبرو ہم نے کمٹمنٹ دی تھی کہ ہم حصولِ انصاف کے لئے عدالتی کارروائی کا حصہ بنیں رہیں گے، ہم اپنا عہد نبھارہے ہیں اور انصاف کی امید رکھتے ہیں۔ 17 جون 2014ء کے دن نہتے کارکنان کے ساتھ ظلم ہوا۔ کارکنان پر بلااشتعال بہیمانہ تشدد کیا گیا اور خواتین سمیت 14 کارکنوں کو شہید کیا گیا۔ 17 جون کے ظلم کو نہیں بھول سکتے، قانون کے مطابق انصاف چاہتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ شہدائے ماڈل ٹاؤن کے درجات بلند فرمائے اور ورثاء کو استقامت عطا کرے۔ ہم اپنے شہداء اور ان کے ورثاء کے ساتھ کھڑے ہیں اور حصولِ انصاف تک ان کے ساتھ کھڑے رہیں گے۔

☆ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے 16 جون 2023ء بروز جمعۃ المبارک خصوصی دعا بھی کروائی اور کہا کہ 17 جون 2014ء کے دن نہتے اور معصوم کارکنان کے ساتھ ظلم ہوا۔ انصاف کے لئے شہداء کے ورثاء 9 سال سے قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں اور اُس دن کے انتظار میں ہیں جس دن مظلوموں کو انصاف ملے گا۔ ہمارا ایمان ہے کہ ظالم ضرور کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ اللہ کے نظامِ عدل میں دیر تو ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ اللہ سب سے بڑا عادل ہے اور عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ شہدائے ماڈل ٹاؤن کے غریب اور مظلوم ورثاء عدل کے لئے عدلیہ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنے شہداء اور ان کے ورثاء کو بھولے ہیں اور نہ کبھی بھول سکتے ہیں۔

☆ صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے 17 جون 2014ء کے خونی واقعات کے تناظر میں اپنے بیان میں کہا کہ 17 جون 2014ء کو پاکستان کے بے گناہ اور معصوم شہریوں کو ناحق شہید کیا گیا اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ 9 سال گزر جانے کے بعد بھی انصاف نہیں ملا۔ انصاف میں تاخیر کے باوجود ہمارے حوصلے آج بھی بلند ہیں۔ ہمارا عزم ہے کہ مظلوموں کے انصاف کے لئے قانونی چارہ جوئی جاری رکھی جائے گی اور ہم امید رکھتے ہیں کہ عدلیہ مظلوموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے گی۔

☆ پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی صدر قاضی زاہد حسین نے کراچی میں تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو اور ورثاء سے اظہارِ یکجہتی کرتے ہیں۔ ہم 9 سال سے انصاف کیلئے عدلیہ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ 17 جون کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں ظلم ہوا اس کا ازالہ کرنا عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔

☆ انجینئر محمد رفیق نجم نے سرگودھا میں اس جدوجہد کے دوران زخمی ہونے والے افراد سے ملاقات کی اور شہداء کی یادگار پر حاضری دی۔ اس موقع پر انہوں نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے شہداء اور ان کے ورثاء کو بھولے ہیں اور نہ کبھی بھول سکتے ہیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ذمہ داران کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کیلئے 9 سال سے اپنی قانونی جنگ لڑ رہے ہیں اور ذمہ داروں کو سزا ملنے قانونی جنگ لڑتے رہیں گے۔

☆ پاکستان عوامی تحریک کے نائب صدر راجہ زاہد محمود نے اپنے خصوصی پیغام میں کہا کہ 17 جون 2014ء کے دن نہتے اور معصوم کارکنان کے ساتھ ظلم ہوا، انصاف کے لئے شہداء کے ورثاء کے ساتھ مل کر 9 سال سے قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں۔ عدلیہ سے درخواست ہے کہ مظلوموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے۔

☆ سانحہ ماڈل ٹاؤن لیگل ٹیم کے ترجمان نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن پاکستان کی تاریخ کا انسانی حقوق کی پامالی کا اندوہناک سانحہ ہے اور انصاف نہ ملنا اس سے بڑا المیہ ہے۔ ہم انصاف کے لیے معزز ججز کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

☆ مرکزی سیکرٹری اطلاعات پاکستان عوامی تحریک نور اللہ صدیقی نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں حصولِ انصاف کے لئے سینئر ترین اور چوٹی کے وکلاء کے ذریعے قانونی چارہ جوئی جاری ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ ایک دن ضرور انصاف ہوگا۔

☆ پاکستان عوامی تحریک سنٹرل پنجاب کے صدر میاں ریحان مقبول نے کہا کہ شہدائے ماڈل ٹاؤن کے غریب اور مظلوم ورثاء عدل کے لئے عدلیہ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ظالم ضرور کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ اللہ کے نظامِ عدل میں دیر تو ہو سکتی ہے مگر ایک دن ظلم کرنے والے انجام سے ضرور دوچار ہونگے۔

☆ پاکستان عوامی تحریک شمالی پنجاب کے صدر قاضی شفیق الرحمن نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء اور ان کے ورثاء کو بھولے ہیں اور نہ کبھی بھول سکتے ہیں۔ اللہ سب سے بڑا عادل ہے اور عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

☆ پاکستان عوامی تحریک جنوبی پنجاب کے صدر نور احمد سہو نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں 14 بے گناہ لوگوں کو شہید اور 100 سے زائد لوگوں کو زخمی کیا گیا۔ اس بربریت کے مناظر میڈیا چینلز کے ذریعے پوری دنیا نے دیکھے۔ انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار ہے۔

☆ پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی سیکرٹری کوآرڈینیشن عارف چودھری نے کہا کہ یہ پوری قوم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں تمام شواہد ریکارڈ پر موجود ہونے کے باوجود مظلوم 9 سال سے انصاف سے محروم ہیں؟۔

☆ پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری کوارڈینیشن سردار عمر دراز خان نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن قتل عام کا ایک ایسا سانحہ جس میں میڈیا کے کیمروں کے ذریعے قاتلوں اور مقتولوں کے چہروں کو صاف دیکھا جا سکتا ہے اس کے باوجود 9 سال سے انصاف کے عمل پر جمود اور سکوت طاری ہے۔

☆ نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن و مستغیث سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس جواد حامد نے کہا کہ شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثا کو انصاف دے کر اس تاثر کو زائل کیا جائے کہ پاکستان کے نظام عدل میں کمزور کو انصاف نہیں ملتا۔ سینکڑوں پیشیاں بھگت چکے مگر انصاف نہیں ملا مگر ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ شہداء کے ورثاء کو انصاف دلوا کر دم لیں گے۔

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل وال سال یو کے میں شہدائے ماڈل ٹاؤن کے لئے خصوصی تقریب منعقد ہوئی جس میں جی ایم ملک ڈائریکٹر فارن آفیئرز نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے حوالے سے شرکاء کو تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا اور شہداء کے درجات کی بلندی کے لئے علامہ واجد محمود نے نماز جمعہ کے بعد خصوصی دعا کروائی۔

☆ شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9ویں برسی کے موقع پر مرکزی سیکرٹریٹ پر قائم شہدائے ماڈل ٹاؤن کی یادگار پر سیکرٹری جنرل خرم نواز گنڈا پور نے راہنماؤں کے ہمراہ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ سے اپیل ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کا کیس 9 سال سے انصاف کا منتظر ہے۔ چیف جسٹس سے جے آئی ٹی کا فیصلہ جلد کرنے کی استدعا ہے۔ فیئر تفتیش ہو گی تو کیس آگے بڑھے گا اور سانحہ کے حقیقی ذمہ داروں کا تعین ہو سکے گا۔ سپریم کورٹ کے حکم پر بننے والی جے آئی ٹی کو کام کرنے سے روکنا انصاف کے عمل کو ٹریک سے اتارنے کے مصداق ہے۔ عدالتی نظام کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے تاکہ کمزوروں کو دہائیوں انصاف کے لئے انتظار نہ کرنا پڑے، امن اور خوشحالی وہاں ہوتی ہے جہاں انصاف ہوتا ہے۔ انصاف کے بغیر معاشرے جنگل ہوتے ہیں۔ عدالتیں اور میڈیا بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور ریاست کی مضبوطی کے بنیادی ادارے ہوتے ہیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں طاقت کا بے رحم استعمال کیا گیا اور ہم نے عدالتوں میں جو ناقابل تردید ثبوت جمع کروائے ان میں زیادہ تر نیشنل میڈیا کی رپورٹس پر مشتمل ہیں۔ 17 جون 2014ء کے روز صحافیوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر رپورٹنگ کی اور بھاری جانی نقصان سے بچایا۔

انہوں نے صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے سیاست سے ریٹائرمنٹ لے لی ہے مگر انہوں نے قانون کی حکمرانی اور مصطفوی نظام سیاست کے لئے جو ویژن دیا ہے اس کے مطابق عوامی تحریک اپنا مثبت سیاسی کردار ادا کر رہی ہے۔ ہم تصادم کی سیاست کے قائل نہیں ہیں۔ اپنا پر امن اور مثبت سیاسی کردار ادا کرتے رہیں گے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ معیشت کی بحالی اور تعلیم و ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر بات کرنا ہو گی، ورنہ نئی نسل مستقبل سے بہت پریشان ہے اور برین ڈرین خوفناک حدوں کو چھو رہا ہے۔

☆ خرم نواز گنڈا پور نے راہنماؤں کے ہمراہ شہداء کی یادگار پر پھولوں کی چادر چڑھائی اور بلندی درجات کے لئے دعا بھی کی۔ اس موقع پر بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، راجہ زاہد محمود، نوراللہ صدیقی، جواد حامد، نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ، سردار عمر دراز خان، سہیل احمد رضا، شہزاد رسول، رانا وحید شہزاد، سردار غضنفر حسین ایڈووکیٹ، راجہ ندیم ودیگر موجود تھے۔ دریں اثناء پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن انٹرنیشنل کے راہنماؤں نے خرم نواز گنڈا پور کی قیادت میں شہدائے ماڈل ٹاؤن کی قبروں پر حاضری دی، پھولوں کی چادریں چڑھائیں اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی۔ مرکزی راہنما شہدا کے ورثا کی رہائش گاہوں پر بھی گئے اور ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔

☆ منہاج القرآن ویمن لیگ انٹرنیشنل کی مرکزی صدر ڈاکٹر غزالہ حسن قادری سینئر خواتین راہنماؤں کے ہمراہ تنزیلہ امجد شہید کی رہائش گاہ گئیں اور بسمہ امجد سے ملاقات کی اور ان کی والدہ تنزیلہ امجد اور پھوپھی شازیہ مرتضیٰ شہید کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی اور ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔

☆ پاکستان عوامی تحریک کی ضلعی و تحصیل تنظیمات کی طرف سے شہر شہر دعائیہ تقاریب منعقد کی گئیں۔ قرآن خوانی کی مرکزی

تقریب جامع شیخ الاسلام ماڈل ٹاؤن لاہور میں ادا کی گئی جس میں بڑی تعداد میں کارکنان و عہدیداروں نے شرکت کی۔ شہداء کی قبروں پر انجینئر رفیق نجم، علامہ رانا محمد ادریس، راجہ زاہد محمود، رانا نفیس حسین قادری، پروفیسر ذوالفقار، چودھری سلطان محمود، سہیل احمد رضا، طیب ضیاء، طارق الطاف، حاجی امجد قادری، محسن اقبال نے حاضری دی۔ شہداء کی یادگار پر منہاج القرآن پبلک ریلیشنز، یوتھ لیگ، پاکستان عوامی تحریک، انٹر فیتھ ریلیشنز کی طرف سے پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں اور شہداء کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی گئی۔

☆ پاکستان عوامی تحریک لاہور کے زیر اہتمام شہدائے ماڈل ٹاؤن کی یاد میں مرکزی سیکرٹریٹ میں سیمینار منعقد کیا گیا۔ سیمینار میں شہداء کے ورثاء بھی شریک ہوئے۔ ڈاکٹر سلطان محمود چودھری، نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ و دیگر قائدین نے سیمینار میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ 17 جون 2014ء کے دن ماڈل ٹاؤن لاہور میں تجاوزات ہٹانے کے نام پر ایک غیر قانونی آپریشن کے دوران نہتے اور پرامن کارکنان پر بے رحمانہ تشدد کیا گیا، تکریم انسانیت کی دھجیاں اڑائی گئیں اور پاکستان کے اسلامی جمہوری تشخص کو نقصان پہنچایا گیا، مسلّمہ انسانی حقوق پامال کیے گئے، غیر قانونی پولیس آپریشن کے نتیجے میں 14 کارکنان کو بے دردی کے ساتھ شہید اور درجنوں شہریوں کو شدید زخمی کیا گیا، شہدا میں دو خواتین بھی شامل ہیں۔ منہاج القرآن کے کارکنان کو تحریک کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے امن، اعتدال اور رواداری کی تعلیم دی ہے اور انھیں ہر حال میں قانون کا احترام کرنا سکھایا ہے یہی وجہ ہے کہ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی طرف سے شہید کارکنان کو انصاف دلوانے کے لیے پاکستان کی مختلف عدالتوں میں 9 سال سے قانونی چارہ جوئی کی جا رہی ہے، اور معزز عدلیہ سے ایک ہی درخواست کی جا رہی ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی غیر جانبدارانہ انکوائری کروائی جائے، تاکہ پس پردہ تمام حقائق منظر عام پر آسکیں۔ اگرچہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے غیر جانبدارانہ انکوائری کروانے کا حکم دے رکھا ہے مگر بوجوہ اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن انسانی حقوق کی پامالی کا ایک سنگین سانحہ ہے۔ قانون ہاتھ میں لینے والوں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی سے انصاف کا بول بالا اور کمزوروں کا نظام عدل پر اعتماد بحال ہوگا۔

ہم شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کو عزم و حوصلہ اور ہمت و استقامت کے ساتھ حصولِ انصاف کے لیے جدوجہد جاری رکھنے پر سلام پیش کرتے ہیں، ان شاءاللہ تعالیٰ مظلوموں اور کمزوروں کو انصاف ضرور ملے گا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک انسانی جان کی حرمت اور اس کا تحفظ سب سے زیادہ اہم ہے اور روز قیامت سب سے پہلے ناحق قتل کیے جانے والوں کا استغاثہ اللہ رب العزت کی عدالت میں پیش ہوگا۔ قیامت کا دن مظلوموں، مقتولوں، کمزوروں کی شنوائی اور ظالم کی گرفت کا دن ہے۔ ہم 9ویں برسی کے موقع پر عدالتوں میں شہدائے ماڈل ٹاؤن کے کیس کی پیروی کرنے والے پر عزم وکلا کیلیے بھی دعاگو ہیں کہ وہ اسی دینی، انسانی و قانونی جذبہ اور کمٹمنٹ کے ساتھ مظلوموں کو انصاف دلوانے کی جدوجہد کرتے رہیں اور مظلوموں کو انصاف دلوانے میں کامیاب ہوں۔ ہم شہدا کے درجات کی بلندی کے لیے خصوصی طور پر دعا گو ہیں اور شہدا کے ورثاء اور تحریک کے عظیم فرزندوں کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ اللہ رب العزت ہمیں ہمیشہ مظلوموں کا ساتھ دینے والا بنائے آمین۔

☆ شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 9ویں برسی کے موقع پر لاہور، فیصل آباد، کراچی، حیدر آباد، اسلام آباد، راولپنڈی، سرگودھا، قصور، ملتان، ساہیوال، بھکر، رحیم یار خان، گوجرانوالہ، جہلم، پاکپتن، خوشاب، لیہ، شیخوپورہ، بہاولنگر، وزیر آباد، چنیوٹ، اوکاڑہ، دیپالپور، سمندری، سیالکوٹ سمیت درجنوں شہروں میں دعائیہ تقاریب کا انعقاد کیا گیا۔ علاوہ ازیں دنیا بھر میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مراکز پر بھی خصوصی دعائیہ تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔ ان تمام تقاریب کی تفصیلی رپورٹس www.minhaj.org پر ملاحظہ کریں۔

❁❁❁❁❁

A Blend of Islamic Studies & Modern Science

ADMISSION OPEN

supervision
Dr. Hassan Muhi-ud-Din Qadri
Chairman supreme council, Minhaj-ul-Quran International

MINHAJ COLLEGE FOR WOMEN
MINHAJ UNIVERSITY LAHORE

OUR PROGRAMMES

- **Intermediate** (Intermediat with Shariah and without Shariah)
  F.A., I.C.S, I.COM, G.Sci,

(BS program with Shariah and without Shariah)

- **BS English**
- **BS Islamic Studies**
- **BS Education** Four years studies with research work
- **Associate Degree Program (ADP)**
  Two years studies
- **M. Phil Islamic Studies**
  Two years studies with research work
- **Uloom-e-Shariah** (at all levels)
  - Ash-Shahadat-ul-Sanawiyyah Spacial
  - Ash-Shahadat-ul-Sanawiyyah
  - Ash-Shahadat-ul-Aaliyyah
  - Ash-Shahadat-ul-Aalamiyya

Short Courses
- Computer
- English
- Irfan Ul Quran
- Arabic
- Na'at

Salient Features

- Spiritual, Moral and Professional Training
- Comfortable Hostel Accommodation with all Facilities
- Experienced and Professional Faculty
- Well Equipped Library
- Modern Teaching Techniques with Multimedia
- Scholarship For Brilliant students
- Well Equipped Computer Labs with High Speed Internet
- Affordable Fee Structure with Disciplined Environment
- Access to Online Research Journals and Extra Online research Oriented Lectures

For Contact

Website : www.minhaj.edu.pk/mcw
E-mail: unimcw@gmail.com
Phone No.: 042-35111013, 042-35116795, 042-35123279

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
JULY-2023
LAHORE
Regd CPL No.41

فضائل و مناقبِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام اور کے موضوع پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی ایمان افروز علمی و تحقیقی کتب